عظیم شخصیتیں

۷

خواجہ نصیر

یاور وحی و عقل

مؤلف

عبدالوحید وفائی

ترجمہ

حجۃ الاسلام والمسلمین سید حسن عباس فطرت

357-

عظیم شخصیتیں

خواجہ نصیر

یا در وحی و عقل

مؤلف

عبدالوحید وفائی

ترجمہ

حجۃ الاسلام والمسلمین سید حسن عباس فطرت
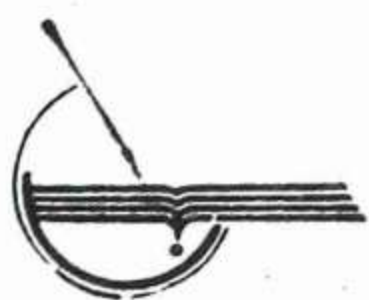
انصاریان پبلیکیشنز

پوسٹ بکس نمبر ۱۸۷-۳۷۱۸۵

قم جمہوری اسلامی ایران

ٹیلی فون نمبر ۷۴۱۷۴۴

مشخصات کتاب

نام کتاب: ـــــــ خواجہ نصیر یاور وحی و عقل

تالیف: ـــــــ عبدالوحید وفائی

ترجمہ: ـــــــ سید حسن عباس فطرت

ناشر: ـــــــ انصاریان پبلیکیشنز

خطاطی: ـــــــ کوثر نقوی۔ بجنوری

تعداد: ـــــــ ۲۰۰۰

سال طبع: ـــــــ صفر ۱۴۱۷ھ / جون ۱۹۹۶ء

پریس: ـــــــ بہمن

فہرست کتاب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

آج کل جسے تاریخ کا نام دیا جاتا ہے اور جس کے ذریعہ بڑی بڑی ہستیوں کو پہچنوایا جاتا ہے وہ سب حقیقت نہیں بلکہ اس کا ایک حصہ ہے جس میں انسان اور دنیا کی جھلک دکھائی جاتی ہے۔ رسمی تاریخ کا تعلق انھیں افراد سے ہوتا ہے جن کی فکر و نظر مادیت سے آگے نہیں جاتی اور انھوں نے انسان اور اس کی دنیا کو جغرافیائی حدود میں قید کر رکھا ہے۔ اکثر مغربی تاریخ نویس حقیقت کو آنکھ کے تل کی طرح مانتے ہیں جو خود کو دیکھ نہیں پاتا وہ لوگ حقیقت شناسی کے میدان میں حواس و ہوش کو کام میں لاتے ہیں۔ جبکہ اس کے معترف ہیں کہ اسے محسوس نہیں کیا جاتا۔

وہ لوگ بہترین تاریخ نویس نہیں ہو سکتے جو تجربہ کو عقل کی بنیاد اور رواں دواں لذت و توسعہ کو انسان کا اعلیٰ مقصد و بشریت کے انجام کا کعبہ جانتے ہیں۔ ایسے لوگ جو "ہستی" کو بے آغاز و انجام کتاب اور انسان کو زندگی کے دلدل کا روئیدہ شجر جانتے ہیں وہ حقائق عالم کی تفسیر و تشریح نہیں کر سکتے یہ لوگ ہمیشہ زمانے کی بساط شطرنج پر ظلمت کے لشکر یا ان کو مات دینے والے بنے رہے اور صرف ایسی چیزوں کو ابھارا جس میں گہرائی ہے نہ حس و تواں۔

آج تاریخ کے کتاب خانوں کی الماریاں مادہ پرست مورخین کی نگارشات سے بھری پڑی ہیں جنہوں نے ہزاروں کتابیں، مقالے، تصاویر و قلم و اسناد اپنے جیسے معمولی افراد کے فضائل و مناقب میں جمع کر کے رکھ دیتے ہیں۔ ان کتاب خانوں میں بہت کم ایسی ہستیاں ملیں گی جنہوں نے وحی کے لیے طور کی سیر کی اور آواز لن ترانی سنی ہو اور خلیل خدا کی طرح عقل کو کوچہ عشق میں قربان کر دیا۔

یہ تاریخ نویس ہمیشہ حالات کو ایک نگاہ سے دیکھنے کے عادی تھے، شاہان ستم گر کے کاسہ لیس اور سطحی نظر رکھنے والے تھے ان کی زیادہ تر روایتیں ساز و سوز و شہرت و شعر و شباب و شراب کی ہوتی تھیں اور وہ عقیدہ و ایمان و آزادی کے دشمن تھے۔ ان کا مقبول و مطلوب معیار اب بھی زر، و زور و تزویر ہی ہے۔ اور رنگ و جنگ و ننگ ان کے تین عناصر ترکیبی ہے ایسے میں شجاعت دائمی کے نگہبانوں کا فرض بنتا ہے کہ وہ مغرب کے

معیار و نمونہ پر حملہ کریں اور تفسیر آفتاب لکھیں آفتاب حدیث و "روایت نور" کو دہرائیں۔

ہاں: اس فریب و مکر کی دنیا میں حدیث اخلاص اور "قلہ ہائے شجاعت و ایثار" کی باتیں بھی ہونا چاہئیں اور فکر بلند و جہاد" کے ان صدر نشینوں کا تعارف کرانا چاہیئے جو غفلت و ذات کے اندھے کنویں میں پڑے ہوتے ہیں۔

لازم ہے کہ آزادی کے ان جھوٹے مجسموں کے مقابلے میں "تندیس[1] پارسائی" کو رکھا جائے اور ایسے زمانے میں جبکہ مغرب کے اقتصادی ڈھنڈورچی "توسعہ[2]" کے خالی نقارے کو پیٹ رہے ہیں۔ صدائے بیداری اور نعرۂ فضیلت کو بلند کرنا چاہیئے۔ حوزہ علمیہ کے بیدار اشراف اور قبیلہ ابرار کے بہترین فرزندان کا فرض ہے کہ وہ حتی الامکان مغرب کی دروغگوئی و فریبی معیار پیمانے و ترازو کو توڑ پھوڑ ڈالیں ان کے معیار و اقدار کو رسوا کر کے قرآنی و اسلامی تہذیب و آداب سے لوگوں کو آشنا کریں اور کفر و الحاد و ابتذال و استبداد کی ثقافتی جنگ میں سب لوگ ایک صف ہو کر ایمان و توحید و تقویٰ و عدالت کا لشکر ترتیب دیں۔

یونیورسٹی و حوزہ علمیہ و مدارس دینی کے علمائے متعہد کا فریضہ ہے کہ جوانوں اور نئی نسل کے سامنے اسلام کے اعلیٰ معیار و اقدار اور مغرب کی

---

[1] تصویر۔ مجسمہ، پیکر، تمثال [2] وسیع النظری

متبذل تہذیب کا مقابلہ کر کے انھیں اسلام سے رغبت دلائیں تاکہ امت کے امور کی ڈور مغرب کے پروانہ صفت عشاق کے ہاتھوں میں نہ جانے پائے لہٰذا اب یہ ضروری ہو گیا ہے کہ خالص عوامی رفاہ طلب افراد اور زاہدان سیاست مدار کا تعارف کیا جائے اور ان کے مقابل میں مغرب کے ہاتھوں بکے ہوئے "پرچمداران علم وسیاست" و "وزیران دین پرور" کی بات چھیڑی جائے اور مغربی سازش والے سمیناروں کے مقابلے اور اس ڈالر کی حاکمیت والے زمانے میں مدرسہ فیضیہ کے فرزند آزادی و استقلال کا پرچم لے کر کھڑے ہو جائیں اور سرکار مرزا شیرازی کی طرح فتویٰ کی طاقت کو دکھادیں اور سیاسی وثقافتی سرحدوں کی نگہبانی تنگ درہ کے کماندار جیسی کریں۔

عظیم شخصتیں حیات بشری کی راتوں کے مہتاب اور انسانی امن وعافیت کے مضبوط قلعے اور پناہ گاہ ہیں اور انسانی قدروں پر بھیڑیوں کا حملہ ہو تو پناہ گاہوں کی طرف بسرعت چل پڑنا چاہیئے۔

شخصیتوں کا قصہ دراصل علم فقہ کے باغبانوں کی داستان ہے وہ فقیہان جاوداں، حکیمان فرد تن دفرزانہ جنہوں نے شریعت کی مشعل ہاتھوں میں یوں تھامی کہ سحر کے سفیر اور مصلحان دلاور بن گئے اس لئے تمام فرزندان اسلام پر لازم ہے کہ ستم وجور وفریب وجہل کی تاریکی میں اس قبیلہ نور کو پہچانیں۔ "درفش[1] ولایت" سے آشنا ہوں اور مغرب کی سیاہ

---

[1] پرچم، علم، جھنڈا

رات میں مشرق وشمال وجنوب کے ستاروں کی مدد سے راستہ ڈھونڈھ نکالیں یہ "قلم کی رسالت ومنصب، حریت کی حدیث مسلسل نور ونمائش کے حلقہ کی پاسداری ہے لہذا خیال رہے کہ دوسرے لوگ ہرگز ہماری دلاوری کی تاریخ لکھیں گے نہ ہماری تہذیب ثقافت کی تعریف کریں گے ہمیں خود ہی یہ کام کرنا ہوگا۔ ان ستاروں کی سوانح عمری لکھنا ہمارا فرض ہے کیونکہ ظلمت کے نگہبان وپرستار ہمیشہ نور سے بھاگتے ہیں اور فکر ونظر کے جلاد کبھی بھی عقل ووحی کے طرفداروں کو اچھا نہیں کہیں گے اور سستی وکاہلی کے عاشق کبھی بھی پرواز کے ترانے نہیں سنائیں گے۔

اس کے ساتھ ہم محترم نویسندگان وقارئین کے شکر گذار ہیں عظیم شخصیتوں کی زیارت ان ہی ستاروں کے ذکر پر ختم نہیں ہوتی بلکہ آئندہ دلوں میں ہم ساٹھ دیگر شخصیات پُرنور کی زیارت کریں گے۔ اور ان کی حیات وآثار پڑھ کر فیض حاصل کریں گے۔ توفیق اللہ کی طرف سے ہوتی ہے اور اس سے قبولیت والطاف بیکراں کی امید ہے۔ آخر میں صاحبان فکر ونظر اور قارئین سے گزارش ہے کہ اپنے مشورہ قم پوسٹ بکس نمبر ۳۷۱۸۵/۱۳۵ کے پتے پر ارسال کر کے ہمارے ساتھ تعاون فرمائیں۔

قم مرکز تحقیق باقر العلوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

اس کتاب میں سرزمین ایران کے عظیم فلسفی و عالم خواجہ نصیر الدین طوسی کی زندگی کا مختصر بیان ہے۔ کون تھے وہ، ساتویں صدی ہجری کے علمائے اجل میں سب سے نمایاں ایسا انسان کہ ان کی وفات کے سات سو سال بعد بھی دنیا ان کے علم پر تکیہ کیے ہوئے ہے جنھوں نے اپنی فکر و نظر کی وسعتوں کو دنیائے اسلام کے لئے سرمۂ نگاہ اپنی سیاسی و علمی شخصیت کو نمائشِ دوام کے لئے رکھا دیا ہے۔

خواجہ نصیر ایک ایسا نام ہے جس سے دنیائے علم کی تاریخ آگاہ ہے یہ ہی نہیں بلکہ وہ اس سرزمین ایران کی عالم پروری اور علم کی تلاش و

کوشش کی بولتی ہوئی تصویر بھی ہے۔

اس عظیم دانشمند اور فلسفی و ریاضی دان کی زندگی جو بغداد حلّہ و نیشاپور و طوس جیسے شہروں میں تحصیل و تالیف و مسائل اجتماعی و سیاسی مشاغل میں گذری وہ حکمت و ریاضی و ہیئت کا نامور ترین استاد تھا اس نے ایسے انکشافات کئے ہیں جہاں کسی کی فکر کی رسائی نہیں ہوئی تھی اور ایسے موضوعات کو منور کیا ہے جو اب تک اچھوتے تھے۔ آپ نے علم کلام میں ایسا ناقوس بجایا کہ اس کی آواز دلربا آج بھی اہل دانش کے کانوں میں گونج رہی ہے۔

اگرچہ ہم، خواجہ نصیر کو ایک عظیم فلسفی، کلامی ماہر فلکیات کے طور پر جانتے ہیں۔ لیکن حق یہ ہے کہ ہنگاموں و حوادث سے بھرتی ہوئی اور ایک وحشی ترین قوم کے درمیان گذرنے والی ان کی طویل زندگی کا کماحقہ بیان اب تک ہوا ہی نہیں کیونکہ مستشرقین و مغرب زدہ اہل قلم نے ان کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ ان کے زمانے کے سیاسی و اجتماعی حالات کا لحاظ کئے بغیر ہی لکھا ہے اور اس طرح انھوں نے خواجہ کی شخصیت کو بالکل بدل دیا ہے اور ان کی صحیح تصویر کو جہل و سیاست کے غبار میں چھپا دیا ہے۔ چنانچہ سات سو برس گذرنے کے بعد بھی خواجہ نصیر مظلومیت کے اسیر ہیں کیونکہ جب خود غرض و متعصب افراد سے ان کی علمی حیثیت کا انکار ممکن نہ ہوا تو انھوں نے خواجہ کے سیاسی و اجتماعی چہرے کو داغدار و مجروح کرنے کی کوشش کی اور کم نہیں بلکہ بہت زیادہ۔

ادھر جس بات نے ہمیں قلم اٹھانے پر اکسایا اور اس عظیم دانشمند کے

طوفانی دریا جیسی زندگی کو کاغذ کے سینے پر اتارنے کے لئے مجبور کیا اس کی ایک وجہ نئی نسل کی تشنگی دور کرنا و اسلامی معاشرہ کے نمونہ کو پیش کرتا تھا دوسری وجہ مغلوں کی غارتگری۔

جیسا مغربی ثقافت کا حملہ بھی ہے جو ان دلوں بڑی ہی شدت کے ساتھ ہم پہ ہو رہا ہے۔ ایسے میں ایمان و جہاد و آزادی کے پیکروں اور بڑے بڑے دانشمندوں کی زندگی و سوانح سے بہتر ان نونہالوں کے لئے کونسا نمونہ عمل ہو سکتا ہے۔

آخر میں مناسب جانتا ہوں کہ پژوہشکدہ باقر العلوم کے ارکان اور کتاب خانہ آیۃ اللہ نجفی مرعشی و کتابخانہ آیۃ اللہ حائری کے مامورین کا شکریہ ادا کروں جنھوں نے کتابوں اور مآخذ کی جمع آوری میں حقیر کی مدد کی۔

ولہ الحمد فی الاولیٰ والآخرۃ
آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

عبد الوحید وفائی
پائیز (۱۳۷۲ھ ش)

فصل اول

ساتویں صدی ہجری کا ایران

سرزمین ایران کے لئے ساتویں صدی بہت سخت و پرآشوب رہی ہے یہ خوارزم شاہی حکومت کا زمانہ تھا جبکہ مغلوں کا حملہ ہوا اس ملک پران کا غلبہ و قبضہ ہوگیا البتہ اس سے پیشتر ۱۵۰ سال تک سلجوقی حکومت بہرحال امن و سکون کی ضامن رہی لیکن خوارزم شاہیوں[1] کی سلطنت اور مغلوں کے حملے سے

---

[1] خوارزم میں حکومت کرنے والوں کا لقب خوارزمشاہ تھا اور خوارزم کا علاقہ ماوراء النہر اور بحیرہ خوارزم کے شمال میں تھا۔ وہاں کے بزرگوں میں زمخشری ابوریحان بیرونی جمال الدین محمد بن عباس خوارزمی کا نام لیا جاسکتا ہے

بدامنی و بے چینی کا دور شروع ہوگیا۔

خوارزمشاہیان نسلاً ترک تھے اور سلجوقیوں کی حکومت کی ایک شاخ جیسے ہے ابتدائی دور میں یہ سلجوقیوں کے تابع و باج گذار تھے لیکن بعد میں آہستہ آہستہ طاقت ور ہو گئے اور اپنی خود مختار حکومت بنائی۔

سلجوقی سرداروں میں سے بلکاتین ایک شخص انوشتکین نامی غلام کو خریدتا ہے اور انوشتکین اپنی غیر معمولی ذہانت وصلاحیت کے باعث سلجوقی دربار میں معزز ہوجاتا ہے اور اسے ترقی مل جاتی ہے بعد میں وہ بغاوت کا پرچم بلند کر کے خوارزمشاہیوں کی حکومت قائم کر لیتا ہے۔ اس سلسلہ کی بہت سی شاخیں ہیں ان میں اہم ترین لوگ جنھوں نے تاریخ میں حیثیتِ خاص پیدا کی اور ایک بڑی حکومت بنا سکے ان کی ابتدا انوشتکین سے ہوتی ہے اور خاتمہ محمد خوارزمشاہ پر[۱]۔

سلطان محمد خوارزم شاہ کے غرور کی وجہ سے یہ سلسلہ پائداری و مضبوطی نہیں پیدا کر سکا گو اس نے بہت خونریزی کی اور متعدد لڑائیاں لڑیں، ماوراء النہر کی سرزمین کو قراختائیوں سے چھینا، غوریوں سے افغانستان اور اتابکان سے اراک، فارس و آذربائیجان لے کر تقریباً پورے ایران کا فرمانروا بن

---

[۱] خوارزمشاہیوں کی اس جماعت کلی ترتیب اس طرح ہے انوشتکین پہلا حاکم قطب الدین محمد پسر انوشتکین، آتیز فرزند قطب الدین آلب ارسلان، علاء الدین تکش وسلطان محمد خوارزم شان فرزند تکش

بیٹھا۔

لیکن اس کے عہد میں ملک کے اندر اتحاد و یگانگی برائے نام نہ تھی پھر سلطان محمد کے عباسی خلیفہ سے نامناسب تعلقات، امور ملکی میں سلطان کی والدہ ترکان خاتون اور ترک سرداروں کی مداخلت، ان کی زور زبردستی و ناانصافی وغیرہ ایسے عوامل تھے جس کی وجہ سے ملک کی حالت ابتر ہو گئی تھی۔ سلطان محمد فتح بغداد کا قصد رکھتا تھا کہ ناگہاں ایران پر مغلوں کے حملے کی خبر آئی جس نے اسے روک دیا اس کتاب کی چوتھی فصل میں ہم مغلوں کے حملے اور اس کے وجوہات کو بیان کریں گے۔

لیکن ان خراب و نامساعد حالات اور اسی ساتویں صدی میں ایک سے ایک عظیم الشان بزرگان، دانشمندان، و بڑے بڑے تالفۂ جہان افراد کا سرزمین ایران پر ظہور ہوا۔ انھوں نے ایجاد واختراع کی دنیا میں ایسی زمین دریافت کی جہاں کسی دانشمند کے قدم نہیں پہونچے تھے اور ایسی ایسی ایجادات سے لوگوں کو بہرہ ور کیا جہاں اب تک کسی کی رسائی نہیں ہوئی تھی ان بزرگوں نے تاریخ میں انقلاب برپا کر دیا اس عہد کے دانشوروں میں خواجہ حافظ شیرازی، شیخ مصلح الدین سعدی، رشید الدین فضل اللہ (جامع التواریخ والے)، خواجہ شمس الدین جوینی، عطا ملک جوینی (مصنف تاریخ جہاں کشا)، اور فلسفی، ریاضی داں، منجم، متکلم نامی خواجہ نصیر الدین کا نام لیا جا سکتا ہے۔
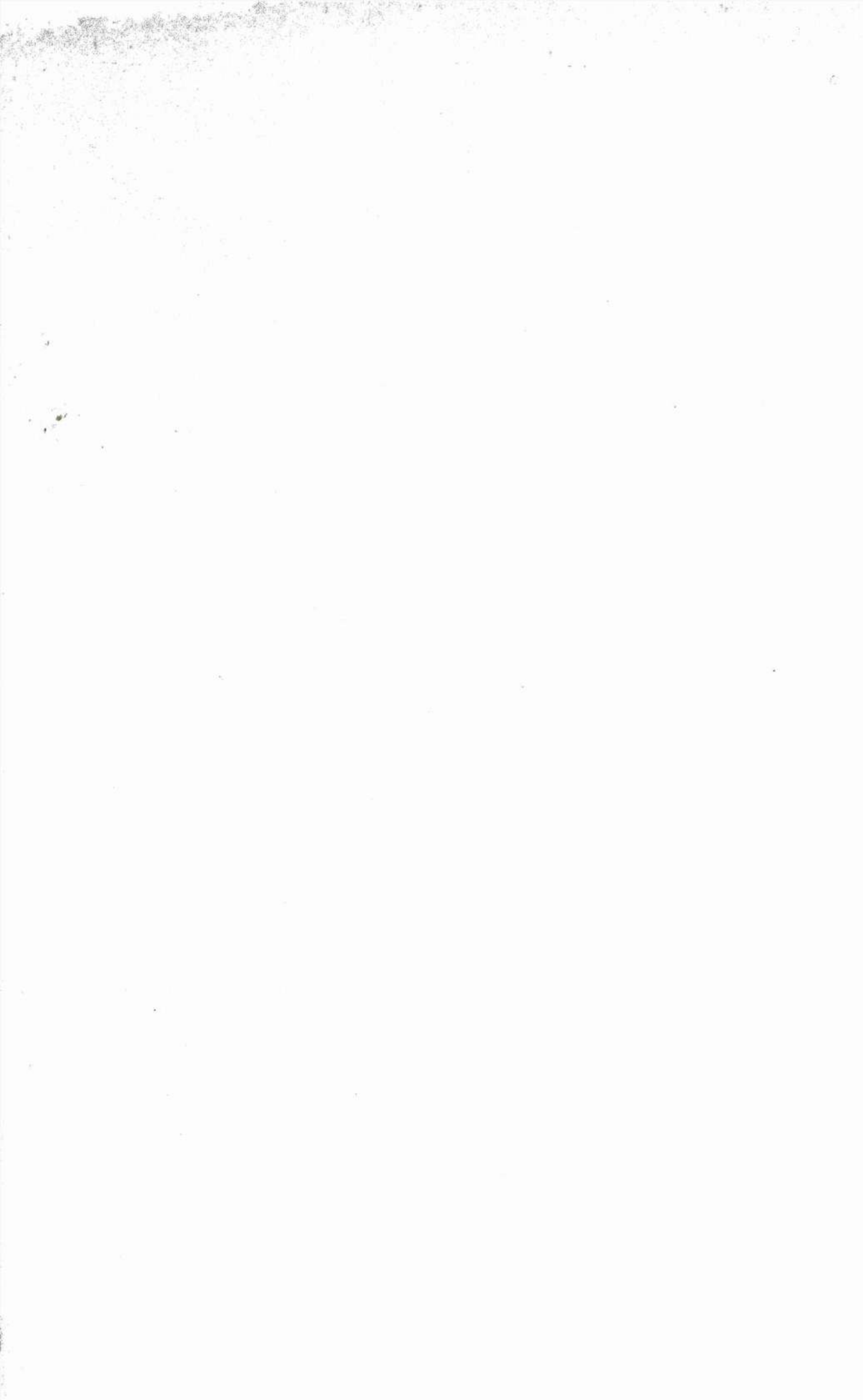
فصل دوم

مولد و ولادت خواجہ نصیرالدین طوسی

مولد ـــ طوس ـــ ایک سے ایک نامی گرامی علماء دانشمند و بزرگ ہستیوں کی سرزمین ہے جس میں کا ہر ایرانی ادب، ریاضی، تاریخ، علم، تمدن و تہذیب، ثقافت میں اپنی ایک چمکدار تاریخ رکھتا ہے۔

ماضی میں اسی خاک سے تاریخ ساز اور حکمت و فلسفہ و علمی دنیا کے قدآور افراد جیسے "جابر بن حیان" امام محمد غزالی، حکیم ابوالقاسم فردوسی خواجہ نظام الملک و خواجہ نصیرالدین طوسی وغیرہ اٹھے ہیں۔

طوس خراسان کے مضافات میں ہے جسکا اہم شہر مشہد ہے۔ زمانہ قدیم میں طوس کئی شہروں کا مجموعہ تھا جن کے نام نوقان، طابران، رادکان،

ہیں ان میں اہم شہر طابران (شہر طوس) رہا ہے۔ مگر آج کل طابران جو مشہد سے چار فرسخ کی دوری پر تھا بالکل مٹ گیا ہے چند شکستہ برجیوں کے کچھ نہیں رہ گیا ہے۔

"نوقان" شہر طابران سے کچھ چھوٹا تھا۔ شیعوں کے آٹھویں امام حضرت علی بن موسیٰ الرضاؑ کی قبر اس شہر سے باہر سناباد گاؤں (موجودہ مشہد) میں ہے۔ جب امام رضا علیہ السلام کے مشہد میں توسیع ہوئی تو وہ سناباد گاؤں سے متصل ہو گیا۔ اور مشہد کا ایک محلہ بن گیا سو آج بھی نوقان نام کا محلہ باقی ہے [1]

---

[1] طوس کی توصیف میں خواجہ نصیر کے ایک معاصر شاعر نے کہا جو حسب ذیل اشعار ہیں۔

حبذا آب و خاک جلگہ طوس — کہ شد آرامگہ فضل و ہنر

معدن و منبع حقیقت و فضل — مرتع د مربع صفا و نظر

آب او چون سپہر مہر نمای — خاک او چون صدف گہر پرور

ہمچو غزالی و نظام الملک — ہمچو فردوسی و ابو جعفر

و ندرین روزگار خواجہ نصیر — اعلم عصر و مقتدای بشر

کز افاضل ز مبدا فطرت — تا باکنون چو او نخواست دیگر

این چنین بقعہ با چنین فضلا — سزد ار بر فلک برارد سر

ولادت

تقریباً آٹھ سو سال پہلے "جہرود" قم ایک روحانی وعالم کنبہ آٹھویں امام حضرت علی رضا علیہ السلام کی زیارت کے لئے مشہد کا قصد کرتا ہے اور واپسی کے وقت اسے خاندان کے بزرگ عالم کی مادر گرامی کی بیماری کے سبب سے شہر طوس کے ایک محلہ میں ٹھہرنا پڑتا ہے تھوڑے دن کے بعد اس عالم روحانی کے اخلاق وسیرت پسندیدہ کو دیکھ کر عوام گرویدہ ہو جاتے ہیں۔ اور اس عالم جلیل القدر سے درخواست کرتے ہیں کہ یہ امامت جماعت مسجد کی اور تدریس مدرسہ علمیہ محلہ حسینیہ طوس کو کرلیں اور یہیں قیام فرما ہو جائیں۔

اس بزرگ روحانی کا نام شیخ وجیہ الدین محمد بن حسن تھا آپ کو بزرگان دین سے اجازہ روایت حاصل تھی اور ایک اہم سبب تھا کہ لوگ ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔

شیخ وجیہ الدین کے ایک فرزند تھے جن کا نام صادق تھا اور ایک صاحبزادی تھی جن کا نام صدیقہ تھا مگر انھیں ایک اور اولاد نرینہ کا انتظار

تھا کیونکہ شیخ کا دل بہت چاہتا تھا کہ ان کے یہاں ایک ایسا فرزند پیدا ہو جو مشہور علمی گھرانے معروف بہ "فیروز شاہ جہرودی" کا نام روشن کرے اور اسے باقی رکھے۔ کیونکہ ان کے بڑے بیٹے صادق نے درس و تحصیل علم میں دلچسپی ظاہر نہیں کی چنانچہ یہ انتظار زیادہ طولانی نہیں ہوا تھا کہ ایک رات جب شیخ مسجد سے گھر آئے تو انھیں دوسرے بیٹے کی ولادت کی خوشخبری مل گئی ہوا یہ کہ اس رات شیخ بہت مضطرب تھے کہ خدانخواستہ ان کی اہلیہ کو کوئی آزار و ناگواری درپیش نہ ہو جائے اس لئے انھوں نے دعا و مناجات کے بعد قرآن کریم سے فال نکالی تو یہ آیت مبارکہ نکلی" محمد رسول اللہ والذین معہ اشدّاء علی الکفار رحماء بینھم" شیخ وجیہ الدین نے قرآن کریم کی اس آیت کو فال نیک خیال کیا اور مولود جس کے بارے میں معلوم نہ تھا کہ لڑکی ہے یا لڑکا "محمد" نام رکھ دیا جبکہ خود ان کا نام بھی محمد تھا۔

ابھی آفتاب نے سرزمین ایران کو روشن نہیں کیا کہ شیخ کے گھر کے سورج نے بارش انوار کر دی یعنی روز شنبہ ۱۱ر جمادی الثانی ۵۹۷ھ کو بوقت طلوع آفتاب ساتویں صدی کی حکمت و ریاضی کا منور ترین چراغ سرزمین طوس پر جلوہ گر ہو گیا۔ جو اس صدی کے ایرانی دانشمندوں و فلاسفہ و سیاست مداروں میں ممتاز ہوا اور سارے عالم میں اس کی شہرت ہوئی۔

اس کا نام "محمد" کنیت "ابو جعفر" لقب "نصیر الدین" محقق

طوسی، استادالبشر تھا اور مشہور خواجہ سے ہوا۔[۱]

مرحوم شیخ عباس قمی "محدث قمی" خواجہ نصیر کے بارے میں کتاب مفاتیح الجنان میں لکھتے ہیں:

"نصیر الملۃ والدین، سلطان الحکماء والمتکلمین، فخر الشیعہ و حجۃ الفرقۃ الناجیہ استادالبشر والعقل الحادی عشر"[۲]

اکثر مورخین کے مطابق خواجہ نصیر کے اجداد جیساکہ اشارہ کیاگیا ہے اہل جہرود قم تھے اس طرح خواجہ نصیر کی اصل ارض قم ہے لیکن چونکہ ان کی ولادت طوس میں ہوئی اس لئے طوسی کہلائے اور اسی نام سے شہرت حاصل کرلی۔

محدث قمی کے مطابق خواجہ کے مورث اعلیٰ جہرود دشارہ کے نام سے مشہور جگہ (قم کے نزدیک[۳]) کے باشندے تھے۔ جہرود کا فاصلہ قم سے دس فرسخ ہے (۳۵ میل)، وہ جگہ بہترین آب وہوا والی ہے اور وہاں ایک قلعہ بھی موجود ہے جو قلعہ خواجہ نصیر کے نام سے مشہور ہے۔

---

[۱] ایران میں خواجہ کہتے تھے دانشمند بزرگ، سردر ومالدار کو جیسے خواجہ حافظ شیرازی، خواجہ عبداللہ انصاری، خواجہ نظام الملک۔

[۲] تحفۃ الاحباب ص ۴۸۵ محدث قمی

[۳] فوائد الرضویہ ص ۶۰۳ محدث قمی

فصل سوم

زمانۂ تحصیل علم و اساتذہ

طوسی، طوس میں

خواجہ نصیر الدین نے اپنا بچپن و نوجوانی طوس میں گذارا۔ انھوں نے ابتدائی اسباق جیسے پڑھنا، لکھنا، قرأت قرآن، عربی و فارسی قواعد معانی و بیان اور کچھ علوم منقول جیسے حدیث کو اپنے عالم و روحانی باپ محمد بن حسن طوسی سے حاصل کیا ساتھ ہی اس زمانے میں خواجہ نصیر قرآن خوانی و فارسی شناسی میں اپنی والدہ سے استفادہ کرتے رہتے تھے۔

اتنا کچھ پڑھانے کے بعد باپ نے بیٹے کو منطق، حکمت، ریاضی و طبیعات کے نامور استاد نور الدین علی بن محمد شیعی کے سپرد کر دیا جو خواجہ نصیر کے ماموں بھی تھے۔ کچھ عرصے تک خواجہ طوسی نے ماموں سے درس

اس لیۓ انھوں نے کہاکہ ان کو نیشاپور جانا چاہیئے۔

طوسی نے شہر طوس میں اپنے استاد اور باپ کے ماموں "نصیر لیا لیکن بعد میں انھیں ایسا لگا کہ ان کے علم کی پیاس ماموں نہیں بجھا سکتے اس لیۓ اسی اثنار میں وہ اپنے باپ کے مشورے پر ریاضی کے مستند ماہر محمد حاسب سے متوسل ہوۓ جو اس وقت طوس آۓ ہوۓ تھے۔ جن کے چشمہ علوم و دانش سے ان کی روحی وفکری تشنگی ایک حد تک دور بھی ہوئی لیکن کمال الدین محمد حاسب طوس میں چند ماہ ہی رہے۔ اور چلتے چلتے خواجہ نصیر کے والد سے بولے کہ جتنا مجھے معلوم تھا میں نے تمہارے بیٹے کو دیدیا مگر اب وہ ایسے سوالات کرتا ہے کہ کبھی کبھی میں اس کے جواب سے عاجز ہو جاتا ہوں۔

اب محقق طوسی نے طوس میں رہنے کا خیال ترک کر دیا اور اہل علم کی تلاش میں نکل پڑنے کی سوچنے لگے اسی درمیان ان کے والد کے "نصیر الدین عبداللہ بن حمزہ" طوس تشریف لاۓ اور خواجہ نصیر کچھ عرصہ کے لیۓ ان سے فیض حاصل کرنے کی غرض سے طوس میں ٹھہر گئے۔ لیکن ان کے والد کے ماموں بھی جو علوم حدیث و رجال و درایہ کے ماہر دانشمند تھے خواجہ کی روحی تشنگی کو سکون نہ بخش سکے۔

خواجہ نصیر نے ان سے زیادہ سے زیادہ نئی باتیں سیکھ لیں۔ لیکن خواجہ نصیر کی بے انتہا ذہانت واستعداد نے والد کے ماموں کو حیران کر دیا اور انھوں نے محسوس کیا کہ خواجہ نصیر کا طوس میں رہنا زیادہ فائدہ مند نہیں ہے

الدین عبداللہ بن حمزہ" کے ہاتھ سے مقدس روحانی لباس زیب تن کیا اور خواجہ نصیر کو ان کی طرف سے نصیر الدین کا لقب عطا ہوا۔ ان کی اور ان کے والد کی تاکید سے خواجہ کی طوس سے ہجرت کے خیال کو تقویت ملی۔

رحلت پدر

کچھ ہی دنوں پہلے خواجہ نصیر نے خوشی خوشی روحانیت کا مقدس لباس زیب تن کیا تھا اور نصیر الدین کا لقب پایا تھا اس کی یاد ابھی محو نہیں ہوئی تھی اور وہ طوس ہی میں تھے کہ اچانک ان کے پدر نامدار بیمار پڑ گئے اور روز بروز ان کی حالت خراب ہونے لگی۔ اہل خانہ نے جتنی بھی کوشش دوا و علاج میں کی وہ مفید نہ ہوئی اور آخر کار جاڑوں کی ایک سرد رات میں وجیہ الدین نے اپنے عزیز و اقربا کو پاس بلایا اور ہر ایک کو وصیتیں کر کے ہمیشہ کے لئے سب کو خدا حافظ کہا اور خواجہ نصیر کی روح کو غم و اندوہ سے بھر دیا۔ خواجہ نصیر جو جلد ہی وطن سے ہجرت کے خیال میں تھے اب پہلے سے زیادہ سہارے و امداد کے محتاج ہو گئے لیکن مقدر میں

تو یہ تھا کہ ایک طرف باپ کی موت اور دوسری طرف ترک وطن ان کو مضبوط کر کے آئندہ کے سخت حادثات وحالات سے مقابلہ کے لئے توانا کر دے۔

انھوں نے خود ان ایام کی یاد میں لکھا ہے۔

"میرے باپ جو جہاندیدہ وتجربہ کار تھے انھوں نے مجھے علوم وفنون کی تحصیل اور بزرگان مذاہب کے اقوال ونوشتوں کو سننے وپڑھنے کی ترغیب دلائی یہاں تک کہ افضل الدین کاشی کے شاگردوں میں سے ایک بزرگ کمال الدین محمد حاسب ہمارے شہر میں کچھ دنوں کے لئے آئے جو حکمت وفلسفہ خصوصاً علم ریاضی میں مہارت تامہ رکھتے تھے اگرچہ میرے والد سے ان کی گہری آشنائی نہیں تھی پھر بھی انھوں نے مجھ کو حکم دیا کہ ان سے استفادہ کرو اور میں ان کی خدمت میں حاضر ہو کر فن ریاضی کی تحصیل میں مشغول ہو گیا۔ پھر وہ حضرت طوس چھوڑ کر چلے گئے اور میرے باپ کی وفات بھی ہو گئی مگر میں نے اپنے باپ کی وصیت کے مطابق مسافرت اختیار کر لی۔ چنانچہ جہاں جہاں کسی فن کے استاد سے ملاقات ہوتی، میں وہیں ٹھہر جاتا اور ان سے استفادہ کرتا تھا مگر چونکہ میرا باطنی رجحان حق وباطل میں تمیز پیدا کرنے کا تھا، اس لئے کلام وحکمت جیسے علوم کی جستجو میں لگ گیا۔

نیشاپور کو ہجرت

نیشاپور خراسان کے چار بڑے شہروں (مرد، بلخ، ہراشا، نیشاپور) میں سے ایک شہر تھا اور سالہاسال شاہان طاہریان وغیرہ کا پایۂ تخت رہ چکا تھا۔ عرصۂ دراز سے علم و دانش کا مرکز تھا اور اپنے دامن میں بہت سے علمائے ایران کی پرورش کر چکا تھا۔ اگرچہ وہ کئی بار حملہ و ہجوم کا شکار بھی ہوا خصوصاً قبیلہ "غز" جس نے بڑی تباہی مچائی تھی اور شہر کے اکثر مدارس، مساجد، کتاب خانے ویران ہو گئے تھے پھر بھی مغلوں کے حملہ سے قبل تک نیشاپور علمی اہمیت کا حامل تھا مگر اس وحشی وصحرا نورد قوم کے حملہ سے ویرانہ و کھنڈر میں بدل گیا۔

خواجہ نصیر نے طوس میں مقدمات و مبادیات کی تحصیل کے بعد والد کے ماموں کی نصیحت و باپ کی وصیت پر عمل کرتے ہوئے تکمیل علم کے لئے جب نیشاپور کا سفر اختیار کیا تو اس وقت ان کے والد کی

وفات کو صرف ایک سال گذرا تھا اور نیشاپور کا شمار اس عہد کے مشہور اسلامی درسگاہوں میں ہوتا تھا اور شہر اس وقت تک مغلوں کی یلغار کا شکار نہیں ہوا تھا۔

محقق طوسی نے نیشاپور میں اپنی مسلسل کوشش و محنت جاری رکھی اور والد کے ماموں کی نصیحت کے مطابق مدرسہ سراجیہ نیشاپور میں قیام کیا اور پھر "سراج الدین قمری" کی تلاش میں لگ گئے۔

امام سراج الدین ایک مرد فاضل و دیندار تھے۔ انھوں نے نہایت صبر و وقار و احترام کے ساتھ خواجہ نصیر کی احوال پرسی کی، باپ کی وفات پر تعزیت ادا کی اور خواجہ کا تعارف مدرسہ سراجیہ کے متولی مرزا کاظم سے کرایا تاکہ وہ انھیں مدرسہ میں ایک کمرہ رہنے کے لئے دیدیں۔

خواجہ نصیر کے لئے یہ مدرسہ سطح بالا کے کالج جیسا تھا ان کے کمرہ کے ساتھی مدرسہ کے ایک فاضل شمس الدین عبد الحمید ابن عیسیٰ خسروشاہی تھے جو تبریز سے نیشاپور تحصیل علم کی غرض سے آئے تھے۔

اس مدرسہ میں امام سراج الدین کا علمی پایہ سب سے بلند تھا ان کا شمار افضل ترین استادوں میں ہوتا تھا۔ وہ فقہ وحدیث ورجال کا درس خارج دیتے تھے۔ انھوں نے جب نصیر الدین کے فوق العادہ و غیر معمولی ذہن واستعداد کو ملاحظہ کیا تو ان کو اپنے درس میں شرکت کی اجازت دیدی اور خواجہ نصیر تقریباً ایک سال تک امام سراج الدین کے درس میں شریک رہے۔

اس مدرسہ میں ایک اور بزرگ استاد تھے جنھوں نے امام فخرالدین رازی سے درس لیا تھا اور فلسفہ میں تبحّر خاص رکھتے تھے وہ چار واسطوں سے ابن سینا کے شاگرد قرار پاتے تھے ان کا نام فریدالدین داماد نیشاپوری تھا ان کا شمار اس عہد کے بزرگ ترین استادوں میں ہوتا تھا وہ مدرسہ نظامیہ میں درس دیتے تھے خواجہ نصیر کو موقع مل گیا کہ وہ ان سے "اشارات ابن سینا" کا درس لیں۔ مرقوم ہے کہ فریدالدین صدرالدین سرخسی کے شاگرد تھے جو افضل الدین غیلانی کے اور وہ ابوالعباس لوکری کے اور وہ بوعلی سینا کے مشہور شاگرد تھے۔[1]

پس جائز و شائستہ یہی ہے کہ ہم خواجہ نصیرالدین طوسی کو بوعلی سینا کے شاگردوں میں شمار کریں۔

استاد و شاگرد میں مذاکرہ و مباحثہ کا سلسلہ بڑھا تو فریدالدین نیشاپوری نے نصیرالدین طوسی کی استعداد علمی و خواہش کسب علم کو دیکھتے ہوئے ان کو ایک دوسرے دانشمند قطب الدین مصری شافعی سے ملایا جو فخرالدین رازی کے شاگرد تھے نہیں بلکہ علم طب کی مشہور کتاب "قانون ابن سینا" کے بہترین شارحین میں سے تھے۔

خواجہ نصیر نے جو ابن سینا کی "اشارات" فریدالدین سے پڑھ رہے

---

[1] روضات الجنات ج ۶، ص ۵۸۲ (خوانساری) قصص العلماء ص ۳۸۱ (مرزا محمد تنکابنی) مجالس المومنین ج ۲، ص ۲۰۳ (قاضی نوراللہ شوشتری)

تھے قطب الدین سے قانون ابن سینا کا درس لینا شروع کر دیا۔ الغرض یہ ایرانی عالم دریا کی طرح حرکت وروانی وزندگی سے بریز تھا اور اسے ایک لمحہ بھی قرار نہ تھا اور جہاں بھی کسی علم وفن کا استاد اسے مل جاتا وہیں اس سے علم حاصل کرنے میں لگ جاتا۔ طوسی کو نیشاپور میں سب کچھ ملا مگر عرفان وسلوک کی لطافتوں سے بے بہرہ رہے اس لئے وہ اس زمانے کے مشہور عارف شیخ عطار (متوفی ۶۲۷ھ) کی خدمت میں پہونچے اور ان سے استفادہ کیا۔

طوسی شہر رے میں

نیشاپور کے علماء ودانشمندوں سے علوم وفنون کے حصول کے بعد طوسی زیادہ دن وہاں نہیں رہے۔ انھوں نے سطح بالاتر کے دورہ کو چھوڑکر شہروں شہروں ملکوں ملکوں پھرنا شروع کر دیا جس کا مقصد نئی بات کا حصول و اس عہد کے علماء ودانشمندان کا دیدار تھا تاکہ قابل استفادہ شخصیت سے کچھ حاصل کر لیا جائے اس لئے وہ چند مہینے رے میں مقیم رہے اور اس عرصے میں وہ عظیم دانشمند برہان الدین محمد بن محمد بن علی الحمدانی قزوینی سے آشنا ہوئے جنھوں نے رے میں سکونت اختیار کر رکھی تھی۔

طوسی قم میں

محقق طوسی شہر رے سے اصفہان جانا چاہتے تھے اثنائے راہ میں وہ ایک عالم میثم بن علی بن میثم بحرانی سے ملے تو انھوں نے خواجہ نصیر کو قم چلنے اور خواجہ ابو السعادت اسعدی بن عبد القادر بن اسعد اصفہانی کے درس سے استفادہ کا مشورہ دیا۔

مصنف کتاب "فلاسفہ شیعہ" نے قم کو ان شہروں میں شمار کیا ہے۔ جہاں خواجہ نصیر نے تعلیم حاصل کی اور خواجہ نصیر کی معین الدین سے شاگردی کے تعلق سے لکھا ہے۔

شاید قم میں خواجہ نے معین الدین بن سالم بن بدران مازنی مصری امامی سے بھی استفادہ کیا ہو۔ [1]

طوسی اصفہان میں

نصیر الدین نے قم کے بعد اصفہان کا سفر کیا مگر جب وہاں

---

[1] فلاسفہ شیعہ ص ۲۸۲ از شیخ عبداللہ نعمہ (ترجمہ جعفر غضبان)

کسی استاد کو نہ پایا جس سے استفادہ کیا جائے تو سفر عراق کا ارادہ کر لیا۔

طوسی عراق میں

خواجہ نصیر نے عراق میں "علم فقہ" ابن ادریس حلّی و ابن زہرہ حلبی کے شاگرد معین الدین سلم بن بدران مصری مازنی سے حاصل کیا اور ۶۱۹ھ میں معین الدین سے اجازہ روایت لینے میں کامیاب ہو گئے۔

محقق طوسی نے عراق میں فقہ علامہ حلّی سے سیکھی اور علامہ نے بھی حکمت کی تحصیل خواجہ نصیر سے کی حوزہ میں یہ روایت و طریقہ اب تک باقی ہے اور استاد و شاگرد ایک دوسرے سے معلومات علمی کا حصول کرتے رہتے ہیں اور نہایت انکساری و تواضع کے ساتھ کسب علم کا عمل جاری رہتا ہے۔

اس کے بعد نصیر الدین موصل میں کمال الدین موصلی کی خدمت میں باریاب ہوتے اور ان سے علم نجوم و ریاضی کا حصول کیا۔ اس طرح خواجہ نصیر نے حصول علم کے دوران خود کو فراموش کر دیا اور وطن و خانوادہ سے مدتوں دور رہنے کے بعد ہی خراسان واپسی کا قصد کیا۔

فصل چہارم

زمانۂ آشوب و بلا

آغاز فتنہ

جس زمانے میں خواجہ نصیر عراق میں مشغول تحصیل علم تھے قوم مغل کے حملہ کی پراگندہ و ناگوار خبریں ایران سے ان تک پہونچتی رہتی تھیں۔
مغل قوم صحرانشینوں اور بیاباں گرد قوموں سے بنی تھی۔ جن کی زندگی مویشی پالنے اور شکار کرنے میں گذرتی تھی زیادہ تر یہ خشک بیابانوں میں رہتے تھے اور ابتدا میں شمالی چین کے فرمانبردار و باج گذار تھے۔
یہاں تک کہ ان میں سے ایک شخص یسوگای نامی جو چنگیز خاں کا باپ اور قبیلۂ قیات کا سردار تھا اٹھ کھڑا ہوا اس نے غلامی کا لباس

نکال پھینکا اور مغلوں کے لات سے قبائل کو اپنا مطیع کر لیا۔

یسوگای کی موت کے بعد اس کا بڑا بیٹا "تموچین" (بمعنی مرد آہنی) جو بعد میں چنگیز خان کے نام سے مشہور ہوا۔ اس کا جانشین بنا اور تمام قبائل کو اپنی ماتحتی میں لے لیا اور بعد میں قبیلہ "کبرائیت" جو عیسائی تھا اس پر بھی غلبہ حاصل کر لیا۔ چنگیز خاں جو گمنامی کے غار سے برآمد ہوا تھا جنوب و مشرق پھر مغرب کی طرف موج عظیم بن کر نازل ہوا ابتدا میں اس نے شمالی مغربی چین پر حملہ کیا اور بعد میں "کین" شاہی پھر دریائے زرد کے ساحل اور پکین کو فتح کیا اس کے بعد لشکر جرار لے کر مغرب کی طرف چل پڑا۔

اس تعلق سے کتاب چنگیز خاں چہرہ خونریز تاریخ کا مصنف لکھتا ہے۔

> مغلوں کا حملہ تاریخ کی عظیم بلا تھی جو وسط اشیاء کے بڑے حصے سے نازل ہوئی اس کے سبب سے نہ صرف یہ کہ ہزاروں بے گناہ انسانوں کی ہولناک موت اور شہروں و دیہاتوں کی غارت گری و تاریخی و علمی و ثقافتی نشانیوں کی نابودی ہوئی بلکہ وہ دنیا کے اس خطہ میں اہم سیاسی جغرافیائی و سماجی و تمدنی تغیرات کا وسیلہ بن گئی۔ اور اس کا اثر صدیوں تک باقی رہا نہ محض ان کے تنگ و تاز والے خطوں میں بلکہ دنیا کے ہر حصے میں اب بھی یہ تاریخی حیرت

اپنا وجود رکھتی ہے کہ کیسے ایک بے نام و نشان قوم چین کے بلند مقامات کی طرف سے معمولی سازوں ان کے ساتھ نشیب و فراز کو طے کرتی ہوئی چلی اور ترقی یافتہ و متمدن و منظم ممالک کو تہس نہس کر کے رکھ دیا اور سب کو شکست دے کر ایک وسیع و قوی ترین حکومت کی مالک ہوگئی۔

اس صحرا نورد قوم کے اندر کون سے عناصر تھے جس نے چنگیز جیسے افراد پیدا کئے اور انھیں تمام فوجی و سیاسی و جسمانی برتری بخشدی جن کی قوت ناقابل تصور تھی ایسے سنگدل سرداروں کو پال پوس کر دنیا کی اقوام کی جان کے پیچھے لگادیا۔ یہ عقدۂ تاریخ آج تک حل نہیں ہوسکا۔ [۱]

مغلوں نے ایران پر کیوں حملہ کیا

جس وقت مغلوں نے چین و وسطی ایشیا پر قبضہ کر لیا تو وہ خوارزمشاہیوں کے ہمسایہ ہو گئے۔ انھوں نے باہم اقتصادی و تجارتی روابط قائم کرنے کے لئے مغل تجار کو ماوراءالنہر بھیجا لیکن ایران کی سرحد میں داخل ہوتے ہی ان پر حملہ ہوگیا اور اس طرح یہ واقعہ مغلوں کے لئے ایران

---

[۱] چنگیز خاں چہرہ خوں ریز تاریخ ص ۱۶،۱۵ محمد احمد پناہی

پر حملہ کا بہانہ بن گیا۔ شروع میں چنگیز خاں ایران پر قبضہ کرنا نہیں چاہتا تھا۔ لیکن سلطان محمد خوارزمشاہ کا غیر عاقلانہ رویہ اور سیاست سے ناواقفیت اس کی موجب بنی اور جو نہ ہونا چاہیئے تھا ہو گیا۔

اس قصہ کی تفصیل یہ ہے کہ سلطان محمد خوارزم شاہ اور چنگیز خاں کے درمیان تجارت کا معاہدہ ہو چکا تھا اور قرارداد پر فریقین نے دستخط بھی کر دیئے تھے۔ اس کے بعد تقریباً پانچ سو مغل تجار نے ماوراء النہر کے ارادہ سے سفر کا آغاز کیا اور اپنے ساتھ گراں قیمت اشیا جیسے سونا، چاندی، ریشم، قیمتی کپڑے لیئے ہوتے "اترار" پہونچے جو خوارزم شاہی سلطنت کا پہلا شہر تھا۔ یہاں پر اترار کے حاکم غائر خاں کو (جو مادر خوارزم شاہ "ترکان خاتون" کا رشتہ دار تھا) لالچ نے آگھیرا۔ وہ خوارزم شاہ کے پاس پہونچا اور ان تاجروں کو مغلوں کا جاسوس بتایا۔ خوارزم شاہ نے غایر خاں کے قول پر اعتماد کرتے ہوئے کہا کہ مغل تاجروں کی نگرانی کرتے رہو۔ غایر خاں نے تمام مغل تاجروں کو بجز ایک نفر کے (جو حمام میں تھا اور بعد میں فرار کر کے وطن پہونچا) قتل کروا کے ان کے اموال کو اپنے قبضہ میں کر لیا۔

فراری تاجر چنگیز کے پاس پہونچا اور جو کچھ گذرا تھا بیان کیا۔ چنگیز خاں نے تجار کے قتل سے آگاہ ہونے کے بعد ایک آدمی کو جو کبھی سلطان تکش خوارزم شاہ کی خدمت میں رہ چکا تھا دو دیگر تاتاریوں کے سلطان محمد کے پاس بھیجا اور اس فعل پر اعتراض کرتے ہوئے غایر

خاں کو حوالہ کرنے کی کوشش ظاہر کی لیکن سلطان محمد نے اسے قبول نہیں کیا دکیونکہ اس کے زیادہ تر درباری وامراء لشکر غایر خاں کے قبیلے سے تھے، یہی نہیں بلکہ اس نے چنگیز خاں کے فرستادگان کو قتل کر دیا اور اس طرح وہ مغلوں کے سیلاب کو ایران اور تمام مشرق اسلامی ممالک کی طرف کھینچ لایا۔

یہ حملہ ۶۱۶ھ سے شروع ہوا اور سوائے جنوبی حصے کے ایران کے بیشتر شہر مغلوں کے تصرف میں آ گئے۔

مغلوں کے جرائم کی ایک جھلک

ایران کی تاریخ کے بدترین ادوار میں سے ایک اس سرزمین پر مغلوں کا حملہ و یورش تھی جو ویرانی و تباہی کا سیلاب بن گئی اور اپنے دامن میں بجز اوہام و جادو پرستی و خرافات کے اور کچھ نہیں رکھتی تھی۔

انھوں نے بعض مقامات پر حیوانات کو بھی نہیں چھوڑا ان پر بھی رحم نہیں کیا۔ اترار، بخارا، سمرقند، مرو، نیشاپور، بغداد وہ شہر تھے جہاں پر مغلوں نے اپنے جرائم کی تاریخ مرتب کر دی ہے۔

مورخین لکھتے ہیں:

چنگیز خاں کا بیٹا تولوی ایران کے لئے مامور کیا گیا۔

اس کے لشکر کے سردار کا نام "تغاجار نویان" تھا جو چنگیز کا داماد بھی تھا اس نے ماہ رمضان ۶۱۷ھ میں نیشاپور کا محاصرہ کر لیا۔ تیسرے دن محاصرہ شدگان میں سے کسی کے تیر سے ہلاک ہوگیا پھر کیا تھا بالآخر دہم صفر ۶۱۸ھ کو مغلوں نے نیشاپور پر دوبارہ دھاوا بولا اور قتل عام کر کے سب کو مار ڈالا۔

چنگیز خاں کی بیٹی (تغاجار نویان کی بیوی) بھی نیشاپور، میں آگئی اور اس کے حکم سے بچے کھچے افراد بھی قتل کر دیئے گئے اس نے حکم دیا کہ شہر کو ایسا تباہ کر دو کہ یہاں کھیتی باڑی کی جا سکے۔ یہاں تک کہ بلی، کتے بھی زندہ نہ رہ سکیں۔ نیشاپور کو سات دن تک شبانہ روز پانی میں ڈبائے رہے اس کے بعد پوری بستی میں جَو بو دیا گیا۔[1]

ایک شخص بخارا سے اس واقعہ کے بعد فرار کر کے خراسان آیا۔ جب اس سے بخارا کا حال پوچھا گیا تو بولا:

"آئے و کھود ڈالا و جلا دیا، مار ڈالا اور لے دے کر چلے گئے"[2]

ان مغلوں کے طور طریقہ، رسوم و آداب کی تصویر یہ ہے کہ چنگیز خاں

---

[1] تاریخ مغول ص ۵۶ عباس اقبال آشتیانی

[2] جہاں کشائی جوینی ج ۱ ص ۸۲-۸۰ نقل از تاریخ مغول ص ۳۰۔ عباس اقبال آشتیانی۔

کی موت کے دو سال بعد ایک جشن شاہزادگی برپا کیا گیا جشن کے خاتمہ پر مغلوں کے تمام سردار و فرزندان و اشراف چنگیز خاں کی قبر پر پہونچ گئے ان کے ہمراہ چالیس کم عمر و حسین کنیزیں جو لباس ہائے فاخرہ و قیمتی زیورات سے مزین تھیں۔ کنیزوں کے علاوہ انھوں نے اپنے ساتھ چالیس گھوڑے بھی رکھے تھے اور ان سب کو اپنے متوفی خاقان کے احترام میں قربان کر دیا۔[1]

وطن کو واپسی

جس وقت سرزمین ایران پر مغلوں کا ٹڈی دل قتل و غارت مچائے ہوئے تھے اور ہر روز ایک نئے شہر نئی بستی پر ٹوٹ پڑتا تھا خواجہ نصیر الدین عراق میں اپنی تعلیم مکمل کرنے میں مشغول تھے اگرچہ مغلوں کے حملے کا حال ان کو ملتا رہتا تھا۔ بعض ایرانی عراق پہونچ کر مغلوں کی خونخواری و بے رحمی کا چشم دید حال نصیر الدین سے کہتے اور اس کی تفصیل سے آگاہ کرتے ظاہر ہے کہ ایسے حالات کو سنکر ہر مسلمان کا دل تڑپ جاتا تھا

---

[1] جہان کشای جوینی، تاریخ مغول، نوشتہ عباس اقبال نقل از کتاب چنگیز خاں چہرۂ خونریز تاریخ ص ۱۸۸ محمد احمد پناہی

چنانچہ اس عظیم دانشمند کا بھی یہی حال ہوا وہ بے حد مضطرب ہو گئے۔ اور وطن واپسی کا پختہ ارادہ کر لیا انھیں یہ برداشت نہ ہوا کہ وہ تو آرام سے رہیں اور ان کے ہم وطن و خاندان والے پُرآشوب و بحرانی حالات میں زندگی بسر کریں۔ نیز عراق میں ان کی علم و دانش سے فائدہ اٹھانے والے بھی بہت کم نظر آتے تھے۔

وطن کی طرف واپسی میں طوسی نے درمیان راہ کئی شہروں کا سفر کیا اور دوستوں سے ملاقات کرتے ہوئے نیشاپور پہونچے (نیشاپور اس وقت مغلوں کی گرفت میں تھا مگر ابھی بالکل ویران نہیں ہوا تھا) یہاں پہونچ کر طوسی کو اپنا زمانہ طالب علمی یاد آیا۔ مدرسہ سراجیہ اور مدرسہ کے وسط میں حوض اور دوستوں کے کمرے وغیرہ یکبار کی تمام یادیں ابھر آئیں اور وہ گھبرا گئے کہ آہ کیا یہ وہی مدرسہ ہے؟ یہیں پر نیشاپور تھا اگر تھا تو کیوں خاموش و مبہوت ہے وہ شہر میں کوئی نہیں ہے سوائے جلے ہوئے درختوں اور نیم ویران مکانوں کے۔

طوسی نیشاپور سے طوس (جائے پیدائش) کی طرف چل پڑے طوس کے جس مکان میں وہ پیدا ہوئے تھے اس کا دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں اور بچپن کی یادیں انھیں گھیر لیتی ہیں۔ گلیوں میں پھرنا، محلہ کے بچوں کے ساتھ کھیلنا کودنا سب کچھ یاد آجاتا ہے۔ وہ زمانہ جبکہ وہ طوس میں اپنے روحانی و عالم باپ کے ساتھ تھے اور تحصیل علم کا آغاز کیا تھا اسی طرح کی ہزاروں فکریں و خیال ان کے ذہن میں آتے جاتے ہیں۔

مگر یہ کیا۔ گھر میں کوئی نہیں جو دروازہ کھولے کیا پورا کنبہ مغلوں کے حملہ کا شکار ہو گیا یا شہر چھوڑ کر سب کہیں چلے گئے۔ طوسی کو یہی خیالات ستا رہے تھے کہ ان کا قدیم ہمسایہ مرد بزرگ و پیر ملتا ہے اور اصل کیفیت سے مطلع کرتا ہے۔ طوسی اپنے کنبہ سے ملاقات کے لئے شہر قائن پہونچتے ہیں اور وہاں اپنی ماں و بہن کو موجود پاتے ہیں ایک مدت قائن میں بسر کرتے ہیں اور اہل شہر کے اصرار پر امام جماعت مسجد ہو کر لوگوں کو مسائل دینی سے آگاہ کرتے ہیں اور قوم مغل کے احوال کو معلوم کرنے کی جستجو و کوشش کرتے رہتے ہیں۔

قائن میں شادی

نصیر الدین جو اب ایک دانشمند کامل اور مستند عالم و اہل فضل ہیں قائن کے عوام میں خاص احترام کر چکے ہیں ان کی سیرت و کردار و رفتار لوگوں کے لئے نمونہ عمل بن گئی ہے۔ تنہا زندگی بسر کرنے میں دشواری محسوس کرتے ہیں اور فخر الدین نقاش کے مشورہ و تشویق (جو ایک علم دوست و علماء سے محبت رکھنے والے بزرگ تھے اور اس زمانے میں خواجہ نصیر کی ماں و بہن فخر الدین کی بیٹی ہی کے مکان میں رہتی تھیں) اور ماں کی رضامندی سے ۶۲۸ ہجری میں فخر الدین نقاش کی بیٹی "نرگس خانم" کو اپنا شریک حیات بنا لیتے ہیں۔

فصل پنجم

زمانہ کار و خدمات

اسماعیلیوں کے قلعے

آج سے ۳۳۵ سال پہلے حسن بن صباح نے مذہب اسماعیلیہ کی ایران میں بنیاد رکھی دیہ فرقہ شیعوں میں سے نکلا تھا جو امامت حضرت علی علیہ السلام سے امام جعفر صادق علیہ السلام کے بعد ان کے فرزند "اسماعیل" کو ان کا جانشین مانتا تھا۔

لیکن اس فرقہ کی کارگردگی ایران میں صباح کے ہاتھوں شروع ہوئی جو ابتدا میں بظاہر مذہب اسماعیلیہ پر نہیں تھا مگر بعد میں سیاسی اسباب و مسائل کے باعث اس نے اس فرقہ کو اپنا لیا۔

ایک ہی مدرسہ کے تین دوستوں اور ساتھیوں کی حکایت مشہور

ہے اور وہ تین یار تھے عمر خیام، خواجہ نظام الملک و حسن بن صباح یہ تینوں نیشاپور کی طالب علمی کے زمانے میں باہم دوست تھے اور اسی وقت عہد کر لیا تھا کہ جو بھی بلند مقام و عہدہ پر پہونچے وہ دوسروں کی مدد کرے اور ان کا خیال رکھے۔ ان تینوں میں پہلے خواجہ نظام الملک سلجوقیوں کا وزیر بنا۔

اس نے عمر خیام کو نیشاپور کا حاکم بنانے کا ارادہ ظاہر کیا لیکن خیام نے یہ عہدہ قبول نہ کیا۔ بلکہ دنیاداری سے بے اعتنائی ظاہر کی حسن صباح کو رے یا اصفہان کی گورنری پیش کی تو اس نے انکار کیا مگر اس کا سبب بے اعتنائی دنیا نہیں بلکہ لمبی امیدیں اور اونچے مقام و مرتبہ کی خواہش تھی وہ چاہتا تھا کہ وزارت میں خواجہ نظام الملک کا شریک ہو اور تھوڑے عرصے تک اس منصب پر رہا بھی مگر بعد میں زیادہ کی ہوس نے اس میں انتقام جوئی کا جذبہ پیدا کر دیا اور وہ اپنے دوست (خواجہ نظام الملک) سے انتقام لینے کی فکر میں پڑ گیا اس مقصد کے لیے اس نے مصر کے فاطمین سے مدد طلب کی جو اسماعیلی مذہب رکھتے تھے اور سلجوقیان جو سنی مذہب تھے ان سے جنگ کے لئے قلعہ الموت کو اپنا اڈہ و ٹھکانہ بنا لیا۔

قلعہ الموت کا فاصلہ قزوین سے تقریباً چھ فرسخ ہے اس کی حیثیت اسماعیلیہ کے پایہ تخت کی تھی اور لگ بھگ اس علاقہ میں پچاس مستحکم قلعے تھے جن پر اسماعیلیوں کے قبضہ و تصرف حاصل کر لیا تھا

جس میں مشہور ترین " قلعہ الموت " " میمون دژ " و " لنبہ سر " تھے۔

مرقوم ہے کہ الموت کے علاوہ اسماعیلیان ولایت قومس (سمنان و دامغان)، و قہستان[1] میں بھی متعدد مضبوط قلعے رکھتے تھے جن کی مجموعی تعداد ایک سو پچاس تک تھی اور ایک ایک آدمی اس قلعہ کے انتظام کے لئے مقرر تھا جسے محتشم کہتے ہیں اور ان محتشموں کے لئے پابندی تھی کہ حکومت کی مدت میں بیوی نہیں رکھ سکتے تھے[2]

یہ قلعے ان اسماعیلی جنگجویوں کے لئے جائے امن و پناہ تھے جن پر حکومت سلجوقیان و دیگر حکومتوں کا بس نہیں چلا اور کوئی ان کو کچل نہیں سکا یہاں تک کہ مغلوں کے بھی کئی حملے اور یورشیں بااثر ثابت نہیں ہوئیں آخر کار ۶۵۴ ہجری میں ہلاکو خاں مغل نے اس کو فتح کیا (اور وہ بھی ایک چال کے ذریعہ ان کو حوالگی پر آمادہ کر لیا) اس بنا پر حسن بن صباح کے زمانے (۴۸۳ھ) سے زمان خورشاہ اور ہلاکو خان کے ہاتھوں قلعوں کی فتح (۶۵۴ھ) تک اسماعیلیوں نے وہاں (۱۷۱ سال) اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں[3]

---

[1] جنوب خراسان جو قائن، فردوس و طبس و سیجستان پر مشتمل ہے۔

[2] کتاب تاریخ مغول ص ۴۔ ۱۲ عباس اقبال

[3] اس ۱۷۱ سال کی مدت میں اسماعیلیوں کے ساتھ بادشاہوں نے حکومت کی جنکے نام یوں ہیں حسن صباح، کیا بزرگ امید، اس کا بیٹا محمد، اس محمد کا بیٹا محمد دوم، محمد جلال الدین علاء الدین محمد سوم، رکن الدین خورشاہ" (لغت نامہ دہخدا)

طوسی قلعہ قہستان میں

خواجہ نصیر کے چند ماہ تک قائن میں رہنے اور شادی کے بعد قہستان کے "محتشم" ناصرالدین عبدالرحیم بن ابی منصور (جو مرد فاضل و کریم، فلسفہ دوست اور فلسفہ کی عربی کتابوں کا فارسی میں ترجمہ چاہتا تھا) نے انھیں بلا بھیجا ان کی بیوی راضی ہو گئیں اور دونوں نے اسماعیلیوں کے قلعے کی راہ لی۔ اس زمانے میں ایک کے بعد دوسرے شہر مغلوں کے حملے سے سقوط کر رہے تھے تو بہترین و محکم ترین جگہ اسماعیلیوں کے قلعے ہی تھے کیونکہ مغلوں سے مقابلہ اسماعیلیوں اور ان کے مضبوط قلعوں ہی سے ممکن تھا دوسرا کوئی انس کی طاقت نہیں رکھتا تھا۔

خواجہ نصیر جس زمانے میں قلعہ قہستان میں رہتے تھے بڑے احترام کی زندگی بسر کرتے تھے اور شہر قائن میں آمد و رفت کے لئے آزاد تھے۔ اسی زمانہ میں انھوں نے اپنے میزبان (ناصرالدین) کی فرمائش پر "طہارۃ الاعراق" ابن مسکویہ کو عربی سے فارسی میں ترجمہ کر کے میزبان کے نام پر اسے "اخلاق ناصری" سے موسوم کیا۔

اور اس کے بیٹے معین الدین بن ناصرالدین کے لئے علم ہیئت کا "رسالہ معینیہ" لکھا اور اس رسالہ کا نام اس کے نام پر رکھا۔

سیاست میں داخلہ

اول تو نصیر الدین کا مذہب اسماعیلیوں سے میل نہیں کھاتا تھا دوسرے یہ کہ اسماعیلیہ عام لوگوں پر جو ظلم و ستم ڈھاتے تھے اس نے ان کو اسماعیلیہ سے دل برداشتہ کر دیا تھا۔ اس لئے انھوں نے بہتر جانا کہ بغداد کے عباسی خلیفہ سے مدد طلب کریں لہٰذا انھوں نے خلیفہ کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا اور اسے ایک شخص کے توسط سے بغداد بھیج دیا عباسی خلیفہ کا وزیر "ابن علقمی" جس نے خواجہ نصیر کے فضل و کمال کا شہرہ سن رکھا تھا اس واقعہ سے خوفزدہ ہو گیا اور سوچنے لگا کہ ہو سکتا ہے کہ خواجہ نصیر کی دانش و علم سے خلیفہ متاثر ہو جائے اور میرا مرتبہ و منزلت کم ہو جائے اس لئے اس نے اسماعیلی بادشاہ کے وزیر (ناصر الدین محتشم قہستانی) کو مخفیانہ طور پر ایک خط لکھ کر تمام ماجرا کہہ سنایا۔ ناصر الدین محتشم کو جیسے ہی یہ خبر ملی، اس نے خواجہ نصیر الدین طوسی کو جو اس وقت نیشاپور میں تھے گرفتار کرا کے اپنے پاس بلوا لیا۔ خواجہ نصیر جو اب تک اسماعیلیہ قلعوں میں عزت و احترام کے ساتھ آزادانہ آمد و رفت کرتے تھے اب ایک قیدی کی صورت میں نظر بند کی حیثیت سے زندگی گذارنے پر مجبور ہو گئے۔

طوسی، قلعہ الموت، میمون دژ میں

خواجہ نصیر اپنے پہلے سیاسی اقدام میں شکست کھا گئے اور اگر ان کی عقلمندی و ہوشمندی نہ ہوتی تو ان کی جان بھی چلی جاتی۔ انھیں قزوین کے قلعہ میں "علاء الدین محمد" کے پاس لے گئے اور اس کے حکم سے خواجہ نصیر کو وہیں پر رہنا پڑا اس زمانے میں تمام اسماعیلی قلعوں کا حاکم علاء الدین محمد تھا۔ لیکن وہ ظلم وتعدی قتل عام، بے انتہا شراب خوری، مالیخولیا کے مرض اور حکومت اسماعیلی کو کمزور کرنے کے الزام کی وجہ سے انجام کار اپنے بیٹے خورشاہ کی مرضی سے اپنے ہی ایک طرفدار (حسن مازندرانی) کے ہاتھوں قتل کر دیا گیا۔ اس کا بیٹا اس کا جانشین بنکر تخت نشین ہوا۔ اس نے خواجہ نصیر کے علم و فضل کی تعریف سن رکھی تھی لہذا اس نے انھیں اپنے پاس میمون دژ بلا لیا۔

خواجہ نصیر نے تقریباً ۲۶ سال اسماعیلیہ قلعوں میں گذارے اور یہ پوری مدت انھوں نے متعدد کتابوں کی تالیف و تحریر میں صرف کی جن میں شرح اشارات ابن سینا، اخلاق ناصری، رسالہ معینیہ، مطلوب المومنین، روضۃ القلوب، رسالہ تولا و تبرا، تحریر مجسطی، تحریر اقلیدس سے روضۃ التسلیم، خصوصیت سے لائق ذکر ہیں۔ اس عرصہ میں انھوں

نے اسماعیلیوں کے کتاب خانہ سے استفادہ کیا اور اپنی بے پناہ فکری قوت وعلم و دانش وکمال کے باعث مشہور و بلند مرتبہ قرار پائے۔

بعض مورخین کا خیال ہے کہ محقق طوسی اپنی مرضی سے اسماعیلیوں کے پاس نہیں گئے تھے انھوں نے کتاب شرح اشارات کے آخر میں اس طرف اشارہ کیا ہے اور اپنی ناگواری و مجبوری کے بارے میں لکھا ہے کہ:

میں اس کتاب کا بیشتر حصہ ایسے برے حالات میں لکھا ہے جس سے بدتر وسخت تر وضع زندگی ممکن نہیں ہے۔ کتاب کا بڑا حصہ میں نے انتشار وپریشانی فکر میں تحریر کیا ہے اس وقت کا ہر لمحہ میرے لئے عذاب دردناک ورنج سے پُر تھا اور حسرت واندوہ اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ کوئی وقت ایسا نہ تھا کہ میری آنکھ تر اور دل پریشان نہ ہو۔ کوئی لمحہ ایسا نہ تھا کہ میرا غم فزدل ترا در سوز دل دوبالا نہ ہوتا ہو کسی فارسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

بگرد اگرد خود چندانکہ بینم　　　بلا انگشتری و من نگینم

معلوم نہیں کہ میری زندگی کا کوئی حصہ حادثات سے خالی کیوں نہیں ہے اور کیوں مجھے دائمی حسرت وندامت کا سامنا ہے اور غم کے لشکر کے درمیان میری زندگی

گذر رہی ہے۔ خدایا بحق رسول بزرگ و وصی پسندیدہ مجھے اس طوفان مصیبت وامواج بلا سے نجات دے تیرے رسولؐ اور اس کے وصی اور اہل بیت پر درود۔ میں جن مشکلات میں پھنسا ہوا ہوں اس سے خلاصی عنایت فرما۔ تو ارحم الراحمین ہے اور تیرے سوا کوئی خدا نہیں ہے [1]

---

[1] رقمت اکثرہا فی حال صعب لایمکن اصعب منھا حال و رسمت اغلبہا فی مدۃ کدورۃ بال لایوجد اکدر منہ بال بل فی ازمنۃ یکون کل جزء منہا ظرفالغصۃ وعذاب الیم وندامۃ وحسرۃ عظیم وامکنۃ توقد کل آن فیہا زبانیۃ نار جحیم ویصب من فوقہا حمیم ما مضی وقت لیس عینی فیہ مقطرا ولا بالی مکدرا ولم یجی حین لم یزداد الی ولم یضاعف ہمی وغمی نعم ما قال الشاعر بالفارسیۃ:

بگرد اگرد خود چندانکہ بینم　　　بلا انگشتری و من نگینم

ومالی لیس فی امتداد حیوتی زمان لیس مملوا بالحوادث المستلزمۃ للندامۃ الدائمۃ والحسرۃ الابدیہ وکان استمرار عیشی امین جیوشہ غموم وعساکرہ ہموم، اللہم نجنی من تزاحم افواج البلاء وتراکم امواج العنا بحق رسولک المجتبیٰ ووصیہ المرتضیٰ صلی اللہ علیہما وآلہ وفرج عنی ما انا فیہ بحق لا الہ الا انت وانت ارحم الراحمین۔

شرح اشارات ج ۲، ص ۱۴۶ نقل از فلاسفہ شیعہ ص ۲۸۵، شیخ عبداللہ نعمہ۔

اسماعیلی قلعوں سے خواجہ طوسی کی رہائی

مغلوں نے بہت سے اسلامی ممالک کو اپنا مطیع بنالیا تھا مگر مغربی ایشیا کے ایک حصہ میں اب بھی اسلام ان سے مغلوب نہیں ہوا تھا ایسا ہونا ہی چاہیئے تھا کیونکہ قہستان، دریائے الموت، البرز پہاڑ کے جنوبی دروں میں اسماعیلی فدائیان مستحکم قلعے رکھتے تھے اور دوسری طرف بغداد میں بنی عباس کے نام کی خلافت بھی قائم تھی، مصر و شام ایوبی سلاطین کے قبضہ میں تھا اور ابھی تک مغلوں کو ان پر تسلط کا موقع نہیں ملا تھا۔

اسماعیلی تمام مسلمانوں سے دشمنی رکھتے تھے اور جو بھی قدرت و طاقت حاصل کر لیتا اسے وہ اپنے فدائیوں کے وسیلہ سے ختم کر دیتے تھے دوسری جانب ایوبی امرا میں باہمی اختلاف تھا ایشیائے کوچک کے سلجوقی سلاطین اور الجزیرہ کے حکام میں ٹھنی رہتی تھی وغیرہ

مغل ان حالات سے باخبر تھے۔ لہذا پہلے ان کی کوشش یہ رہی کہ اسماعیلیان کو باہر نکالیں اور بنی عباس کا خاتمہ کر دیں اسلامی

ممالک کے اندرونی حالات نے مغلوں کے اس خیال کو تقویت بخشی اسماعیلیوں کے ظلم و جور سے مسلمانوں کی جان پر بنی ہوئی تھی۔ قہستان و قزدین میں کوئی دن ایسا نہیں گذرتا تھا کہ مسلمانوں کی کوئی جماعت اذیت و مصائب کا شکار نہ ہو یا قتل نہ کر دی جائے۔ اسماعیلیوں کا ظلم اور شورش میں اپنی شدت پیدا ہو گئی جو ہر شخص کے لئے ناقابل تحمّل و برداشت تھی۔ یہاں تک کہ قزدین کے محبوب عالم "قاضی شمس الدین قزوینی" کئی بار "منکو قاآن" کے پاس حاضر ہوئے اور اس سے اسماعیلیہ کی شکایت کر کے مدد کے طالب ہوئے[1]

آخرکار وہ وقت آگیا کہ مغلوں کے بادشاہ وچنگیز کے پوتے "منکو قاآن" نے اپنے چھوٹے بھائی "ہلاکو خاں" (جو اس وقت ۳۶ سال کا تھا) کو اسماعیلی قلعوں کی سرکوبی کے لئے مامور کر دیا۔

ہلاکو خاں نے ۶۵۱ھ میں اپنے ایک ہم مذہب عیسائی امیر "کیتوبوقا" کو بارہ ہزار فوجیوں کے ساتھ قہستان و دریائے کرد کی طرف روانہ کیا اور خود ۶۵۳ھ میں سمرقند آیا طوس پہونچنے کے بعد اس نے ہرات کے حاکم "ملک شمس الدین کرت" کو قہستان کے محتشم ناصر الدین کے پاس بھیجا اور اسے اپنی اطاعت قبول کرنے کا حکم دیا۔ اس وقت تک ناصر الدین پیر و ضعیف ہو چکا تھا وہ ہلاکو سامنے آیا اور سر جھکا دیا ہلاکو نے

---

[1] بر داشت از تاریخ مغول ص ۱۷۰۔۱۷۰ عباس اقبال آشتیانی۔

بھی اس کا احترام کرتے ہوئے اسے شہر "تون"[1] کی حکومت دیدی۔

ناصرالدین محتشم قہستان کی خود خواہگی عملی طور پر اسماعیلیہ کے محاذ کی شکست ثابت ہوئی اور مغلوں نے اس کے بعد یکے بعد دیگرے قلعوں کو تسخیر کرلیا۔ خواجہ نصیر کو تمام خبریں ملتی رہیں انھوں نے گمان کیا کہ ہلاکو خونریزی پسند نہیں کیونکہ اس نے ناصرالدین محتشم کو دوسری جگہ کی حکومت دیدی اور قہستان کے لوگوں کا قتل عام بھی نہیں کیا۔

ہلاکو خاں نے بعد میں "خورشاہ" کے پاس اس نے دو نمائندے بھیجے اور اس کو اپنی اطاعت کی طرف بلایا۔ خورشاہ نے خواجہ نصیر کی مشورت وصلاح سے اس کی اطاعت قبول کرلی اور ایک سال کی مہلت مانگی۔

بادشاہ اسماعیلیان "خورشاہ" اور مغلوں کے فرستادگان میں دو مہینے تک چند مرحلوں میں مذاکرہ چلتا رہا سرانجام کار خورشاہ نے اپنے چھوٹے بھائی کو خواجہ نصیرالدین طوسی کے ساتھ ہلاکو خاں کے پاس بھیج دیا اور خود اول ذی قعدہ ۶۵۴ھ بروز یکشنبہ قلعہ سے نکل کر نیچے آیا اور اس طرح ایران میں حکومت اسماعیلیان کا خاتمہ ہوا اور تاریخ میں اسماعیلیان کا نام کے سوا اور کچھ باقی نہ رہا۔ اس موقع پر خواجہ نصیر نے چند اشعار بھی کہے ہیں؛

سال عرب چون شش صد و پنجاہ چار شد

---

[1] اب شہر تون کا نام فردوس ہو گیا ہے اور شہر صوبہ خراسان کے جنوبی حصے میں ہے۔

یکشنبہ اول مہ ذی قعدہ بامداد

خورشاں پادشاہ اسماعیلیان ز تخت

برخاست پیش ہلاکو بایستاد

عربی سال ۶۵۴ھ یکشنبہ اول ذی قعدہ کی صبح تھی جب اسماعیلیوں کا بادشاہ خورشاہ تخت سے اٹھا اور ہلاکو کے سامنے آکر کھڑا ہوگیا۔

اس بارے میں ایک دوسرے شاعر نے بھی کہا ہے:

ہماں روز خورشاہ فرزند را

بزرگان و خویشان و پیوند را

بہ درگہ فرستاد و روز دگر

خود آمد بر شاہ پیروز گر

حکیمان عالم اصیل و نصیر

طبیبان عصر و موید وزیر

از آن قلعہ بااو فرود آمدند چو باران برژرف رود آمدند

خورشاہ نے اسی دن اپنے فرزندان و اعزا و اقربا کو ہلاکو کے پاس بھیجدیا اور خود دوسرے دن فاتح بادشاہ کے پاس پہونچا پھر اس قلعہ سے حکیم و دانشمند و طبیب و وزیر و مددگار سب اس طرح زمین پر اتر آئے جیسے دریا میں بارش آئی ہو۔ فعل سردار ہلاکو خاں نے خواجہ نصیر الدین اور رئیس الدولہ کے فرزند کو جو بزرگ حکماء و اطباء میں سے تھے اور خورشاہ کی تسلیم و سپردگی کا ذریعہ بنے تھے قتل عام و کشت و کشتار کو رکوا دیا تھا۔ اپنے ساتھ بڑے احترام سے لایا اور ان

سے بہت خوش ہوا۔ؔ

فتح بغداد

اسماعیلیوں کے قلعوں کو فتح کرنے کے بعد ہلاکو خاں نے بغداد پر حملہ کی تیاری شروع کر دی اور اپنی حکومت کے سربراہ ولشکر کے سرداروں سے مشورہ کر کے ان کے خیالات معلوم کیۓ چونکہ اس کا عقیدہ علم نجوم پر بہت زیادہ تھا اور اس کے بڑے بھائی منکو قاآن نے بھی تاکید کر رکھی تھی کہ "حسام الدین منجم" کو اپنے ساتھ رکھے لہذا ہلاکو نے حسام الدین منجم سے بغداد پر حملہ کے تعلق سے رائے مانگی۔ حسام الدین جو خلیفہ عباسی کا خیر خواہ تھا جواب میں بولا۔ خاندان خلافت کی بربادی کا ارادہ اور بغداد پر چڑھائی مبارک نہیں ہوگی کیونکہ قدیم الایام سے ایسا ہے کہ جس بادشاہ نے عباسیوں کی طرف رُخ کیا ان کا ملک بھی چلا گیا اور عمر نے بھی وفائی نہیں کی اگر بادشاہ نے میری بات نہ مانی اور بغداد کا ارادہ کیا تو چھ خرابیاں ومصائب

ؔ جامع التواریخ ج ۲ ص ۶۹۵ رشید الدین فضل اللہ، تاریخ مغول ص ۴،۳،۱۷۴ عباس اقبال سرگذشت وعقائد فلسفی خواجہ نصیر الدین طوسی ص ۵۰، محمد مدرسی زنجانی۔

پیش آئیں گے اول یہ کہ تمام گھوڑے مرجائیں گے اور فوجی بیمار پڑ جائیں گے۔ دوم سورج نہیں نکلے گا۔ سوم بارش نہیں ہوگی۔ چہارم تیز آندھی آئے گی اور زلزلہ سے دنیا میں تباہی مچ جائیگی پنجم زمین سے کچھ اُگے گا نہیں۔ ششم اسی سال بادشاہ فوت ہو جائے گا۔ جب ہلاکو نے ان حوادث کا سبب پوچھا تو حسام الدین جواب نہ دے سکا۔ تب ہلاکو نے خواجہ نصیر کو بلایا اور ان سے مشورہ کیا۔ انھوں نے کہا کہ حسام الدین کی بتائی ہوئی ایک مصیبت بھی نہیں آئے گی ہلاکو نے حسام الدین کو طلب کیا تاکہ خواجہ نصیر سے بحث کرے۔

نصیر الدین نے کہا تمام اہل اسلام متفق ہیں کہ بہت سے بزرگ اصحاب شہید ہوئے مگر کچھ بھی گڑبڑ نہیں ہوئی اگر تم کہو کہ یہ عباسیوں کی تاثیر و خاصیت ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ مامون رشید کے حکم سے طاہر خراسان سے چل کر بغداد آیا اور اس کے بھائی محمد امین کو مار ڈالا۔ اس کے بعد متوکل اپنے بیٹے اور امراء کے ہاتھوں قتل ہوا۔ منتصر و معتز کو ان کے غلاموں نے قتل کیا۔ اسی طرح دوسرے کئی خلیفہ قتل کئے گئے مگر دنیا میں کوئی خلل واقع نہیں ہوا[1]

---

[1] از کتاب سرگذشت و عقائد فلسفی خواجہ نصیر ص ۵۲ محمد مدرس زنجانی (معمولی تبدیلی کے ساتھ)

بہر حال ہلاکو نے بغداد پر حملہ کرنے کی ٹھان لی اور مستعصم خلیفہ کے پاس اپنا سفیر بھیجا اور چاہا کہ خلیفہ ہلاکو کے دربار میں حاضر ہوکر ایلخانی بادشاہ کی اطاعت کا اقرار و اظہار معذرت کرے لیکن جب خلیفہ نے اسے منظور نہیں کیا تو ہلاکو نے ہمدان کی طرف سے چڑھائی کی اور بغداد کا محاصرہ کر لیا۔ خلیفہ عباسی کے پاس سوائے اس کے کوئی راستہ نہ رہا کہ وہ بغداد کے قاضیوں، سادات بنی عباس اور اپنے بیٹوں ابوبکر و احمد کے ساتھ شہر بغداد کے باہر آئے اور سر جھکا دیئے

پھر ہلاکو خاں نے خلیفہ کے قتل کے بارے میں مشورہ کیا تو اکثر بڑے بوڑھوں نے کہا کہ بہتر یہی ہے کہ خلیفہ کو قتل کر دیا جائے تاکہ لوگوں کو امان مل جائے مگر حسام الدین منجم جس کی بات مغلوں کے یہاں محترم تھی بولا " اگر خلیفہ قتل کیا گیا تو اسی وقت زمین پھٹ جائیگی آسمان زمین پر ٹوٹ پڑے گا اور عذاب ہی عذاب کا نزول ہوگا"۔

ہلاکو جو علم نجوم اور منجموں کی پیشین گوئی کا سخت معتقد تھا حسام الدین کی باتیں سنکر ڈر گیا اور ارادہ بدلنے کے لئے سوچنے لگا اس لئے پھر خواجہ نصیر سے مشورہ کیا۔ انھوں نے جواب دیا کہ ابتدائے آفرینش عالم سے اب تک لوگوں نے ہزاروں بے گناہ افراد مثل حضرت یحیی حضرت ذکریا، اولاد پیغمبر وغیرہم کو قتل کیا مگر ان حوادث میں سے کوئی ایک بھی واقع نہیں ہوا تو پھر کیا ہوگا؟ ہاں اگر بادشاہ کو زمین پر خلیفہ کا خون بہانے میں تردد ہے تو اس سے بچنے کا مناسب طریقہ یہ ہے

کہ خلیفہ کو کمبل میں لپیٹ کر آہستہ آہستہ اس کو گھونسے، لات سے ادھمرا کیا جائے اگر آسمان تاریک ہونے لگے یا طوفان آجائے یا زمین ہلنے لگے تو وہی پر ہاتھ روک لیا جائے اور اگر کچھ نہ ہوا تو پھر آپ آسودہ و مطمئن ہو جائیں۔ ہلاکو نے اس رائے کو پسند کیا اور اسی طریقے سے معتصم کو قتل کیا گیا اور دنیا میں کوئی انقلاب نہیں ہوا[1]

اور پھر چہارم صفر ۶۵۶ھ کو بغداد مغلوں کے ہاتھوں فتح ہوگیا۔

خواجہ نصیر نے اس موقع پر شعر نظم کئے:

سال ہجرت شش صد و پنجاہ و شش

روز یکشنبہ چہارم از صفر

چون خلیفہ نزد ہلاکو رسید

دولت عباسیان آمد بسر

ایک بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ مغربی ایشیا میں مغلوں کی لشکر کشی کا ایک عامل و مددگار ارمنوں کی چال بھی ہے۔ مغلوں نے جیسے ہی قوت و طاقت حاصل کی وہ بغداد کو فتح کرنے کی سوچنے لگے کیونکہ اس وقت بغداد مسلمانوں کے خلیفہ کا مرکز و مستقر تھا اور خصوصی اہمیت کا حامل تھا اور اس پر کئی بار حملے ہوئے جو نتیجہ خیز نہیں رہے

---

[1] بااستفادہ از قصص العلماء ص ۳۸۰، مرحوم تنکابی "حبیب السیر" کی کتاب سے نقل کیا"

یہاں تک کہ منکو قاآن کے عہد سلطنت میں جبکہ مسلمانوں میں باہمی نااتفاقی و فوجی کمزوری بہت بڑھ گئی تھی یہ واقعہ ناگوار ظہور میں آیا۔ ایک طرف مصر و شام کے مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان صلیبی جنگ چل رہی تھی دوسری طرف آرمینیہ کے بادشاہ نے منکو قاآن سے اتحاد و دوستی کا عہد و پیمان کر لیا۔ یہ دونوں چیزیں اس کا باعث ہوئی کہ منکو قاآن کا بھائی ہلاکو ایران کے اسماعیلیوں اور بغداد و مصر و شام کی فتح کے لئے چل پڑے۔

دیہ دیکھتے ہوتے کہ ہلاکو کی ماں "سرقوی تی" دسوگلی) اور اس کا شوہر "دوقوز خاتون" عیسائی مذہب رکھتے تھے اور اس کے بیشتر فوجے مغل اور عیسائی تھے،

اس بنا پر فتح بغداد میں دو عوامل بڑے تھے ایک تو ہلاکو کے لئے منکو قاآن کا حکم دوسرے بنیادی طور پر اہم عامل جس نے اس واقعہ کو ظہور پذیر کیا وہ عباسی خلیفہ کی سستی و بے تدبیری تھی جس نے مغلوں کو لالچ میں ڈال دیا اور انھوں نے اپنا لشکر جرار بغداد کی طرف روانہ کر دیا۔

عباسی خلفار جنھوں نے ۵۲۴ سال تک حکومت کی اور اتنی طویل مدت ہی ان کے مکر و فریب و حیلہ کو ظاہر کرتی ہے جس کی بدولت وہ مسلسل اتنے دنوں تک سلطنت کو چلاتے رہے۔

اس خاندان وسلسلہ[1] کے خلفاء نے اپنا زیادہ وقت تن پروری میں کاٹا اور مسلمانوں کے لیئے کوئی کارنامہ انجام نہیں دیا۔

اس سلسلہ کا آخری خلیفہ مستعصم عباسی بھی اپنے عادات واخلاق کے لحاظ سے قابل تعریف نہ تھا خونریزی ولہو ولعب کے سوا اس نے بھی مسلمانوں کے لیئے کچھ کیا نہیں۔ بلکہ اس کے بیٹے "ابوبکر" کے ہاتھوں بغداد کے تھوڑے سے شیعہ بری طرح قتل کیئے گئے اور ان کا مال واسباب لوٹ لیا گیا محدث قمی لکھتے ہیں :-

جب تخت سلطنت پر آخری خلیفہ عباسی مستعصم بیٹھا
تو ملک کا انتظام اپنے وزیر موید الدین علقمی قمی کو سونپ دیا
اور خود کبوتر بازی ولہو ولعب وعیاشی ولذت اندوزی میں

---

[1] خلفاء بنی عباس نے خلافت بنی امیہ سے چھینی اور ۱۳۲ھ سے ۶۵۶ھ تک خلافت کرتے رہے ان کا دار الخلافہ شروع میں "انبار" پھر "کوفہ" اور بعد میں بغداد رہا ہے۔ ان خلفا کی تعداد ۳۷ تھی۔ پہلا خلیفہ تھا ابو العباس سفاح اور آخری مستعصم باللہ کے نام سے مشہور تھا ان کی ترتیب یوں ہے دمنصور، مہدی، ہادی، ہارون رشید امین، مامون، معتصم، واثق، متوکل، منتصر، مستعین، معتز، مہتدی، معتمد، معتضد، مکتفی، مقتدر، قاہر، راضی، متقی، مستکفی، مطیع، طایع، قادر، قائم، مقتدی، مستظہر، مسترشد، مقتفی، مستنجد، مستضئ، ناصر، ظاہر، مستنصر، مستعصم، لغت نامہ دہخدا۔

[1] تتمۃ المنتہی ص ۳۷۳ محدث قمی

ڈوب گیا انہی ایام میں مستعصم کے فرزند ابوبکر نے محلہ "کرخ بغداد" پر جو شیعوں کا مسکن تھا، دھاوا بول دیا اور سادات کی ایک جماعت کو قیدی بنا لیا[1]۔

جس وقت ہلاکو نے ہمدان سے خلیفہ کو پیغام بھیجا کہ اگر تم حکومت ایلخانی سے معافی مانگ لو اور اسے تسلیم کر لو تو ممکن ہے کہ میں بغداد نہ آؤں۔ خلیفہ اس وقت سیاست سے کام نہ لے سکا اور مغلوں کو نامعقول جواب اور بیہودہ دھمکیاں دیکر اپنے آپ میں خوش تھا اور مغلوں کا مذاق اڑاتا تھا اور جس وقت وہ خواب خرگوش سے بیدار ہوا تو کافی دیر ہو چکی تھی۔ بغداد کے حالات میں مرقوم ہے کہ جب ہلاکو نے خلیفہ کو پکڑا اور اس سے خزانے اور مخفی دولت کا مطالبہ کیا تو اس نے یہ بھی کہا کہ تم نے اپنی قوم کا خیال کیوں نہ کیا اور اس دولت سے اسلحے کیوں نہ خریدے کہ میرے جیسا دریائے جیحون کو پار کر کے تم تک نہ پہونچ پائے اور جب میں دیگر مسلمانوں کو قتل کر رہا تھا تو تم ان کی مدد کو کیوں نہیں آئے۔

پس یہ کہا جا سکتا ہے کہ مغل قوم کے حملے کا اہم سبب و بڑا عامل تھا خلیفہ عباسی کی نااہلی و بوداپن اور دوسرا عامل تھا "منکو قاآن" کا حکم جو ارامنہ سے معاہدہ کا لحاظ کر کے جاری کیا گیا تھا۔

البتہ بعض[1] مورخین خلیفہ عباسی کے قتل کو خواجہ نصیر الدین کی کوشش

---

[1] جیسے ابن تیمیہ حنبلی و ابن قیمؒ حنبلی از علماء اہلسنت اور صاحب ←

کا نتیجہ مانتے ہیں اور ان ہی کو خاندان آل عباسی پر آفت کا سبب خیال کیا ہے مگر مورخین کا دوسرا گروہ ان تمام اتہامات کو طوسی کے دشمنوں کی کارستانی مانتا ہے اور دانشمند طوسی کو ان اتہامات سے دور بتاتا ہے لیکن جو کچھ تاریخی قرائن سے نمایاں ہے وہ یہ ہے خواجہ نصیر ان ان واقعات سے الگ تھلگ و بے تعلق نہیں تھے۔

طبقات الشافیہ و تاریخ ایران از جان ملکم

ے از جملہ عماد الدین ابن الفداء صاحب تاریخ البدایۃ والنہایۃ۔

خواجہ نصیر

ہلاکو خاں نے طوسی کو ان کے علم و فضل کی وجہ سے اپنے بزرگوں کی فہرست میں داخل کر لیا اور ان کی حفاظت و دیکھ بھال میں کافی توجہ دی حتیٰ کہ جہاں جاتا وہاں طوسی کو اپنے ساتھ لے جاتا تھا خواجہ نصیر نے بھی اس موقع کو غنیمت جانا اور خاموشی کے ساتھ مغلوں کی غارت گری و خونخواری دیکھتے رہے اور کچھ بولے نہیں۔

چنانچہ اس عظیم دانشمند و فلسفی کا رول و نقش کئی جہات سے قابل توجہ ہے:

۱۔ تحصیل علم۔ جسے اس نے جوانی میں بہت اعلیٰ پیمانے پر جگہ جگہ سے حاصل کیا اور مختلف علوم کا جامع بن گیا۔

۲۔ اس کے بعد اسمعیلیوں کے قلعہ میں پر آشوب و ناقابلِ برداشت حالات میں علمی و ثقافتی کارنامے انجام دیئے۔

۳۔ مغل حکمرانوں پر اپنا اثر ڈالنا اور انھیں شہروں کی تباہی اور ملکوں

کی غارت گری سے روک کر آثار علمی اور بہت سے علمار و دانشمندوں کی حفاظت کرنا۔ مراغہ وغیرہ میں عظیم الشان رصد گاہ بنانا۔ اس تعلق سے طوسی کی چند خدمات کا ہم یہاں ذکر کریں گے۔

الف: اس سیاست داں دانشمند نے "جوینی" کی مدد سے قلعہ الموت کی فتح کے بعد حسن بن صباح کے عظیم کتاب خانہ کو آتش زنی سے بچایا۔

مغل جو تمدن سے بے بہرہ اور کتاب کی قدر و منزلت سے ناآشنا تھے قلعہ الموت کی فتح کے بعد سوچنے لگے کہ وہاں کے کتابخانہ کو آگ لگادیں مگر خواجہ نصیرالدین اور جوینی کے تدبیر و ہوشیاری سے یہ کام رک گیا اور وہ علمی خزانہ نابودی کے خطرہ سے باہر ہوگیا۔ اور اس عہد میں تاریخ اسلام کے پورے سابقہ ادوار سے زیادہ فارسی میں تاریخ نویسی کا کام ہوا۔

ب: دوسری بات علمار و دانشمندان کی جان کی حفاظت ہے۔ طوسی اپنے اثرات کی بنا پر قادر ہو سکے کہ بے رحم و بے عقل قوم مغل کی تلوار سے بہت سوں کو بچالیں ان میں سے ایک تاریخ جہاں کشا کے مؤلف عطا ملک جوینی بھی تھے جو نامعلوم اسباب کی بنا پر مورد عتاب ہلاکو ہو گئے تھے اور ان کو سزائے موت سنا کر زندان میں ڈال دیا گیا تھا۔[1]

---

[1] فوات الوافیات، ج ۳، ص ۲۴۷، ابن شاکر (چاپ بیروت)،

"ابن ابی الحدید" نہج البلاغہ کا شارح اور اس کا بھائی "موفق الدولہ" یہ دونوں علمائے اہل سنت فتح بغداد کے بعد مغلوں کی قید میں تھے اور قتل کئے جانے والے تھے مگر ابن ابی الحدید کا شیعہ شاگرد ابن علقمی اپنے استاد کی سفارش کے لئے خواجہ نصیر الدین کے پاس پہونچا اور طوسی نے ان دونوں کی شفاعت کر کے موت کے خطرہ سے رہائی دلائی۔

ج؛ دوسرا دلچسپ و قابل توجہ نکتہ قوم مغل کا مسلم ایران کے تمدن و تہذیب میں جذب و حل ہو جانا ہے وہ لوگ ہلاکو کے لائق دانشمند وزرا مثل نصیر الدین و چند دیگر افراد سے بہت متاثر ہوئے اور آہستہ آہستہ اسلام کی طرف کھنچتے چلے گئے۔

یہ قوم جو تہذیب و تمدن سے عاری تھی اور جس نے ممالک اسلامی کی نابودی کے ارادے سے ایران اور دیگر ممالک پر دھاوا بولا تھا نہایت کم مدت کے اندر اسلامی تہذیب کی توانائی و عظمت کے سامنے جھک گئی اور مسلمان ہو گئی اور ۶۹۴ھ (غازان خاں مغل کا زمانہ) سے اسلام ایران کا رسمی مذہب بن گیا اسی بنا پر اہل نظر نے اسے مغل دور اور اس کے بعد کے زمانے کو جدید تمدن اسلامی کی بنیاد رکھنے والا کہا ہے۔

د: دوسرا سب سے اہم و تاریخی کام جو طوسی نے کیا اور جس کی وجہ سے انھوں نے زیادہ شہرت پائی اور ان کا نام دنیا کے چند مشہور

وعظیم دانشمندوں و علماء میں شامل ہوگیا۔ وہ تھا مراغہ میں رصدگاہ کی تعمیر اور ایک بڑے مکتبِ علم و دانش کی بنیاد۔

مغلوں کی تباہ کاری و لوٹ مار کے بند ہو جانے کے بعد ان علمی وثقافتی مراکز نے دوبارہ اپنا کام شروع کر دیا اور خواجہ نصیر کی دانائی سے مراغہ کی عظیم رصدگاہ اور کتاب خانہ وجود میں آیا۔

بعض مورخین نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے کہ رصدگاہ کا خیال اور بنیاد کس نے ڈالی۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ جدت خواجہ نصیرالدین کی تھی انھوں نے ہلاکو خاں کو اس کی تعمیر پر مائل کیا اور ہلاکو خاں نے اس کے لئے فرمان جاری کیا۔

بعض کا کہنا ہے کہ چونکہ مغل قوم ہیئت و نجوم سے بہت زیادہ علاقہ مند تھی اور اس علاقہ مندی کی ایک قدیم تاریخ ہے اس لئے "منکو قاآن" نے مراغہ میں رصدگاہ کی تعمیر کی تجویز ہلاکو کے سامنے رکھی تاکہ وہ منجموں کی پیشگوئی سے اپنے مقاصد و امور انجام دینے میں مدد حاصل کر سکے مغل سرداروں کی نجوم سے علاقہ مندی کا سبب خاص بھی یہی تھا۔ لیکن جو بات مہم اور ناقابل تردید ہے وہ اس کام میں خواجہ نصیر کا موثر کردار ہے بلاشبہ اگر وہ دنیا کے اس عظیم مجتمع کا موجد نہ رہا ہو جس کی مثال شرق و غرب میں تین سو سال تک نہیں تھی، مگر موسس ضرور تھا۔

مشہور مستشرق رونالڈس لکھتا ہے:

"طوسی نے مراغہ میں ہلاکو سے کہا کہ" فاتح حاکم کو صرف

غارت گری پر اکتفا نہیں کرنا چاہیئے" اس مغل نے طوسی کا مطلب بھانپ لیا اور حکم دیا کہ مراغہ کے شمالی پہاڑ پر ایک عظیم رصد گاہ بنائی جائے چنانچہ کام شروع ہوا اور بارہ سال میں تمام ہوا اس درمیانی مدت میں زیج کی جمع آوری ہوتی رہی۔ ہلاکو کے مرنے کے بعد تک یہ کام چلتا رہا تکمیل کے بعد اس کا نام زیج ایلخانی رکھا گیا۔

اس کے ساتھ بہت بڑا کتابخانہ بھی بنایا گیا جس میں ان تمام کتابوں کو اکٹھا کر دیا گیا جو بغداد کے کتابخانوں کی غارتگری سے بکھر گئی تھیں۔[۱]

صاحب حبیب السیر لکھتے ہیں:

جس وقت ہلاکو خاں کو بغداد کی تسخیر و تخریب سے فراغت حاصل ہوئی تو اس نے خواجہ نصیر کی ترغیب پر حکم دیا کہ رصد کے اسباب کی ترتیب اور زیج کا استنباط کیا جائے اور خواجہ نصیر نے تبریز میں مراغہ کو رصد گاہ کے لئے منتخب کیا۔ حکم شاہی ہوا کہ اس کام کے لئے جو رقم درکار ہو اسے خزانہ دار و دیوان مہیا کر کے دیں۔ چنانچہ اس کے لئے خواجہ نے جو بھی خرچ لازم تھا اسے حاصل کیا۔[۲]

---

[۱] فلاسفہ شیعہ، ص ۲۸۷، شیخ عبداللہ نعمہ۔

[۲] حبیب السیر، ج ۳، ص ۱۰۳، نقل از مفاخر اسلام ج ۴، ص ۱۱۲۔

صاحب کتاب "فوات الوفیات" ابن شاکر کے مطابق رصدگاہ بنانے کا خیال خواجہ کے دماغ کی پیداوار تھی اور وہ ہلاکو سے ملاقات سے برسوں پہلے اس فکر میں تھا کہ جب بھی وقت وموقع ہاتھ لگا اور وسائل فراہم ہو گئے اس کام کو شروع کرنا ہے بالآخر جب ہلاکو کے عہد میں انھوں نے اسے ممکن دیکھا تو اسے اس کے لئے ابھارا کہتے ہیں کہ ہلاکو نے کہا کہ اس کام کا فائدہ کیا ہے۔؟

اور کیا اس سے جو خیال وتمنا ہے وہ انجام پذیر ہو جائے گا؟ رصدگاہ بنانے اور ستاروں کی حرکت کو جان لینے کے بعد کیا حوادث کو روکا جاتا ہے؟ خواجہ نے کہا کہ میں اس سوال کا جواب ایک مثال سے دیتا ہوں۔ انھوں نے ایل خانؒ سے کہا کہ ایک آدمی کو بلندی پر بھیجو مگر وہ یہاں سے نزدیک ہو بہت دور نہیں اور وہ آدمی وہاں جاکر زمین پر ایک بہت بڑا طشت گرائے مگر پہلے سے کسیکو خبر نہ ہو۔ ہلاکو نے یہ کام انجام دیا اور ایک شخص کو مقرر کر دیا کہ وہ بالاخانہ پر جاکر طشت کو زمین پر پھینک دے۔ طشت کے گرنے سے بڑی مہیب وزوردار آواز نکلی اور لوگ گھبرا کے بھاگنے لگے۔ اور چاروں طرف وحشت و خوف پھیل گیا۔ لیکن چونکہ خواجہ و ہلاکو معاملہ سے واقف تھے اس لئے بالکل نہیں ڈرے۔ تب خواجہ نے کہا کہ اگر علم نجوم کا کوئی فائدہ نہ ہو تب بھی اتنا فائدہ تو ہے ہی کہ نادان وناواقف اور غافل لوگوں کو جو حوادث خوف ورنج میں مبتلا کر دیتے ہیں علم نجوم کے جاننے

والے اس سے محفوظ رہتے ہیں۔ ہلاکو نے جب دیکھا کہ معاملہ یوں ہے تو پھر خواجہ کو رصدگاہ بنانے کا حکم دیدیا اور کہا اس کیلئے عمارت بنائی جائے[2]

مغل بادشاہ نے اس عظیم علمی مرکز کے قیام و توسیع و ترقی کے لئے اپنی مملکت کی ہر مقبوضہ ریاست کے اوقات خواجہ نصیر الدین کے سپرد کر دیئے۔ خواجہ نصیر نے ہر شہر میں ایک نمائندہ مقرر کر دیا اور رصدگاہ کے خرچ کے لئے اوقاف کے مال کا دسواں حصہ مخصوص کر دیا۔ خواجہ کا یہ عمل اوقاف سے صحیح استفادہ اور علم کے لئے اس سے بہرہ برداری، دوسروں کے لئے نمونہ ہے اور طوسی کے سیاسی اقتدار و ذہانت کو ظاہر کرتا ہے۔

مراغہ کی رصدگاہ ۶۵۶ میں بننا شروع ہوئی اور خواجہ نصیر الدین کی وفات کے سال ۶۷۲ھ میں مکمل ہوئی۔

اس تعمیر میں فلسفہ و طب و علم دین حاصل کرنے والے طالبعلموں کے لئے الگ الگ مدارس و عمارتیں بنائی گئی تھیں جہاں فلسفہ کے ہر ایک طالب علم کو روزانہ تین درہم اور طب پڑھنے والوں کو دو درہم فقیہ کے لئے ایک درہم اور محدث کے لئے روزانہ نصف درہم مقرر کیا گیا تھا۔ علماء کے وظیفہ میں درجہ بندی اس زمانے کے سیاسی و

---

[1] ایل خاں کہتے ہیں ایل کے سرپرست کو اس طرح مغلوں کے سرداروں کا یہ لقب بن گیا

[2] فوات الوفیات ج ۳ ص ۲۴۷، چاپ بیروت، ابن شاکر۔ تاریخ فلاسفہ ایرانی ص ۴۲۰ ڈاکٹر علی اصغر حلبی۔

اجتماعی اور ضروریات زندگی کا لحاظ کر کے کی گئی تھی اس لیۓ اگر خواجہ نے فلسفہ کے طالب علم کو متعلم طبابت پر ترجیح دی تو اس کا سبب اس زمانے کے حالات تھے جہاں اس علم کو سب پر اولیت حاصل تھی۔

اس عظیم علمی کام کو انجام دینے کے لیۓ دانشمند طوسی نے چند مشہور فلک شناس علمار سے استفادہ کیا اور اس کے لیۓ بھاری رقم خرچ کی۔ اس مرکز میں دانشمندوں کی جتنی تعداد جمع ہو گئی تھی اس سے انھوں نے ایک بڑا علمی گروہ تشکیل دیا جن کا کام علم نجوم وریاضی میں نئی تحقیق وانکشاف تھا۔

اس علمی کام میں جن علمار و دانشمندوں نے طوسی کا ساتھ دیا ان میں سے چند اعلام کا ذکر کیا جاتا ہے۔

۱۔ نجم الدین کاتبی قزوینی۔ ولادت ۶۰۰ھ وفات ۶۷۵ھ۔ علمار وحکمار شافعیہ میں سے تھے اور رصدگاہ مراغہ میں خواجہ نصیر الدین طوسی کے شریک کار تھے۔ مشہور کتاب منطق "شمسیہ" ان ہی کی تصنیف ہے رصدگاہ مراغہ میں خواجہ نصیر کا علمائے اہل سنّت سے کام لینا یہ بتاتا ہے کہ وسیع نظر و وحدت پسند تھے اور علوم کی ترقی میں مذہبی تعصب سے بہت دور تھے۔

۲۔ موید الدین عرضی۔ دمشق کے علمار و فلاسفہ میں سے تھے ۶۵۰ میں پیدا ہوئے ۶۶۴ میں وفات پائی۔ انھوں نے مراغہ کے رصدی آلات کے بارے میں ایک کتاب بنام "شرح آلات رصدیہ

مراغہ" لکھی۔

۳۔ فخرالدین خلاصی۔ علم فلسفہ و طب کے ماہر تھے ۵۸۷ میں متولد ہوئے اور ۶۸۰ھ میں مراغہ ہی میں وفات پائی۔

۴۔ محی الدین مغربی۔ اندلس کے رہنے والے تھے وہ خواجہ نصیر کے اہم ساتھیوں میں گنے جاتے ہیں ان کی تحریر کردہ کتابیں بہت ہیں محی الدین علم نجوم میں بہت زیادہ دسترس رکھتے تھے اوران کی کتابیں زیادہ تر اسی علم سے متعلق ہیں۔

۵۔ فرید الدین طوسی۔ اہل حکمت وعرفان تھے معماری میں بھی تخصُّص رکھتے تھے۔ اس دانشمند نے رصدگاہ بنانے میں طوسی کی بہت زیادہ مدد کی۔

۶۔ فخرالدین مراغی۔ علم اصول وہندسہ ورصد میں مہارت رکھتے تھے ۵۸۳ھ میں پیدا ہوئے اور ۶۶۷ میں اصفہان میں انتقال فرمایا۔

۷۔ فریدالدین ابوالحسن علی بن حیدر طوسی۔ یہ بھی اہل فن تھے انھوں نے بھی رصدگاہ کی تاسیس میں خواجہ طوسی کے ساتھ ہم کاری کی ان پر طوسی بہت اعتماد کرتے تھے فریدالدین نے ۶۹۹ھ میں وفات پائی۔

۸۔ محمود بن مسعود بن مصلح الدین کازرونی۔ معروف بہ فخرالدین کازرونی ۶۶۴ میں بغداد آئے اور خواجہ نصیر سے ملے۔ اس صاحب علم و دانش

کا باپ طبیب تھا، شیراز میں ایک مدت تک طبابت میں مشغول رہا۔
(خواجہ نصیر کے شاگردوں کی بحث میں ان کا بیان آئے گا)۔

مراغہ کے رصد خانہ میں بہت سے ان آلات سے بھی استفادہ کیا گیا جو قلعہ الموت و بغداد سے لائے گئے تھے اور وہ ایک بہترین رصد خانہ مانا جانے لگا۔ جوینی نے "تاریخ جہانگشا" میں نجوم کے چند قسم کے سامان و اوزار کا ذکر کیا ہے جو الموت سے مراغہ میں لائے گئے تھے (منجملہ اس کے اسطرلاب[1]، ذات الکرسی، ذات الحلق وغیرہ)

---

[1] اسطرلاب علم نجوم کا قدیم ترین و معروف ترین آلہ ہے او(ر) مختلف زبانوں میں اس میں تبدیلیاں ہوتی رہی اور اسے ستارہ شناسی میں استعمال کیا جاتا رہا۔ اسطرلاب دو لفظ یونانی استر بمعنی ستارہ اور لابون یعنی گننا سے مرکب ہے اس سے بہت سے کام لئے جاتے تھے مثلاً ستاروں کی بلندی اور آسمان میں اس کی جگہ۔ یہ کئی قسم کا ہوتا تھا اور ہر ایک کا نام الگ تھا۔
کچھ قسمیں اس طرح ہیں: اسطرلاب تام، مسطح شمالی و جنوبی، طوماری، ہلالی زورقی، عقربی، قوسی (ہلالی)، مسرطن (خرچنگی)، حق القہر، مغنی، جامعہ، عصا موسیٰ، اہلیجی صلیبی، لولبی، کری، ذی العنکبوت، رصدی، مجنخ، صدفی، سفرجلی، اسطرلاب نصف (برائے اندازہ دو درجہ دو درجہ) اسطرلاب ثلث (برائے اندازہ سہ درجہ سہ درجہ) اسطرلاب سدس (برائے اندازہ شش درجہ شش درجہ) اسطرلاب عشر (برائے اندازہ دس درجہ دس درجہ)۔ خواجہ نصیر الدین کا ایک بیس بابی رسالہ اسطرلاب

خواجہ نصیر کی یاد داشت میں ہے کہ:

مراغہ کی رصدگاہ میں ایک قبہ ہے اسے اس طرح تیار کیا گیا ہے کہ قبہّ کے سوراخ سے نور آفتاب صبح سے شام تک آوے اور اندر اجالا کرے اور اس وسیلہ سے آفتاب کی وسطی حرکت بلحاظ درجہ و دقیقہ معلوم ہوتی ہے۔ نیز اسی وسیلے سے ممکن ہے کہ مختلف فصلوں میں آفتاب کی بلندی کے زاویوں کا اندازہ ہو سکے۔ اسی طرح قبہّ کو ایسا بنایا گیا ہے کہ نوروز کے دن شعاع آفتاب "عتبہ" پر پڑتی ہے۔ بعض محققین کا خیال ہے کہ مراغہ کی رصدگاہ دوربین کی ایجاد سے پہلے ایک اعلیٰ و مکمل رصدگاہ تھی۔[۱]

مراغہ کا رصدخانہ اسلام میں پہلا رصدخانہ نہیں تھا بلکہ اس سے قبل بھی کتنی رصدگاہیں موجود تھیں جن میں سے مشہورترین کا ذکر یہاں جاتا ہے۔

۱۔ رصدخانہ "شماسیہ" جو مامون کے زمانے میں (۲۱۴ھ) قائم

کی معرفت میں جس کا نام "بیست باب در معرفت اسطرلاب" ہے اس رسالہ میں اسطرلاب کے اجزاء کی شرح کی گئی ہے۔

[۱] یادنامہ خواجہ نصیر، ص ۸۲۔

کیا گیا اسے اسلام کا رصدگاہ مانا گیا۔

۲۔ رصد خانہ بتانی جو شام میں واقع تھا۔

۳۔ سرزمین مصر میں رصد خانہ حاکمی تھا۔

۴۔ بغداد کا رصد خانہ بنی الاعلم [1]

قبل اسلام بھی چند رصدگاہیں بنائی گئی تھیں مثلاً رصد برجیس (ابن جیس) ورصد بطلیموس [2] اور ایران میں رصد خانہ درجندی شاپور موجود تھا۔ [3] بہرحال مراغہ کا رصد خانہ اپنے وقت کا سب سے عظیم رصد خانہ تھا جس کی تعمیر و تاسیس خواجہ نصیر کی ہمت و حوصلے نے کی انھوں نے اس تعلق سے زیج بھی مرتب کرائی جس کا نام زیج ایلخانی رکھا۔ [4]

۱۔ فوات الوفیات ج ۳، ص ۲۵۱، ابن شاکر (چاپ بیروت)

۲۔ فوات الوفیات ج ۲، ص ۱۵۱، چاپ مصر

۳۔ دیکھو تاریخ در ایران نوشتہ ڈاکٹر مہدی فرشاد۔ (چاپ انتشارات امیر کبیر)

۴۔ فارسی زیگ کو عربی میں زیج کر دیا گیا ہے اور وہ ایسی کتاب ہے جس سے منجم لوگ احوال و حرکاتِ افلاک و ستارگان معلوم کرتے ہیں۔ (لغت نامہ دہخدا) زیج ان خطوط (افق و عمودی) کا مجموعہ ہوتا ہے جن کی بنیاد پر اختر شناسی کے مشاہدات و مطالعات ہوتے ہیں۔ ان خطوط (جدول) سے ستارہ شناس ستاروں کے موقعیت کے تعین اور احکام نجوم کے استخراج اور نقاط و مقامات کی خصوصیات اور زمان شناسی کا کام لیا جاتا ہے (کتاب تاریخ علم در ایران ص ۱۹۳ ڈاکٹر مہدی فرشاد)

طوسی کے عظیم کارناموں میں سے ایک مراغہ کی رصدگاہ کے نزدیک کتاب خانہ بنانا ہے جس میں مختلف شہروں و ملکوں سے کتابیں لائی گئیں۔ خواجہ نصیر نے اپنے گماشتوں کو اطراف و اکناف میں بھیجا کہ جہاں بھی علمی کتاب دست یاب ہو وہ اسے خریدلیں اور مراغہ بھیج دیں طوسی خود بھی جہاں جاتے اچھی و مفید کتاب دیکھتے تو خرید لیتے تھے۔ اور اس میں کوتاہی نہیں کرتے تھے۔ یہاں تک کہ مراغہ کے کتاب خانہ میں چار لاکھ کتابوں کا ذخیرہ ہو گیا جیسا کہ مورخین نے لکھا ہے۔
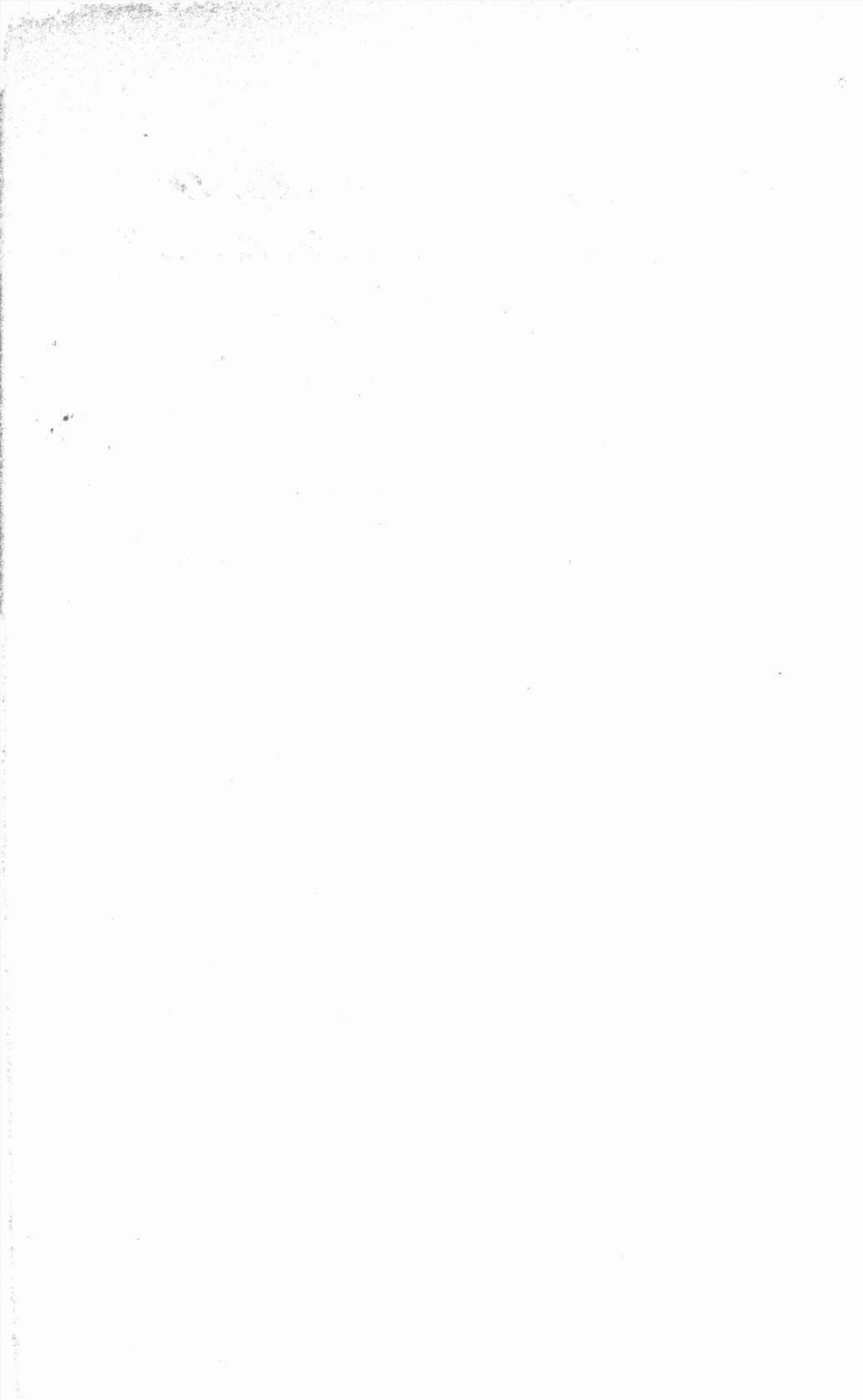
فصل ششم

خواجہ نصیر کی اولاد

خواجہ نصیر کے بیٹے

خواجہ نصیرالدین طوسی نے صدرالدین علی، اصیل الدین حسن، وفخرالدین احمد تین فرزند یادگار چھوڑے جن میں سے ہر ایک علم ودانش وفضل وکمال میں فخر روزگار تھا وہ ایک مدت تک مسلمانوں کی خدمت کرتے رہے۔ ان کی زندگی بہت سے حوادث سے لبریز ہے۔

طوسی کی نسل سے کچھ افراد

حکومت صفویہ میں بہت اونچے عہدہ پر پہونچے جن میں "حاتم بیک اردوباری" کا نام لیا جاسکتا ہے جو شاہ عباس کے دور میں اعتمادالدولہ

کہلاتے تھے۔

صدرالدین علی

خواجہ نصیر کے بڑے اور لائق فرزند اپنے باپ کی زندگی میں ان کے ہم کار تھے۔ اور والد نے ان کو مراغہ کے رصد خانہ کا سرپرست مقرر کیا تھا۔ والد کی رحلت کے بعد بھی رصد خانہ کے امور واوقاف کے نگراں تھے ان کو ایک دانشمند، ریاضی داں، فلسفی ونجومی بتایا گیا ہے۔ مجمع الاداب میں ابن فوطی نے لکھا ہے صدرالدین کو شاہ قہستان اعتما دالدین ابوالفداء قہستانی کی بیٹی سے شادی کا اعزاز حاصل ہوا تھا۔

اصیل الدین حسن

اصیل الدین حسن نصیرالدین طوسی کے دوسرے بیٹے تھے اور اپنے بھائی کی طرح اہل دانش وفضیلت تھے۔ ادبیات وسیاست میں اپنے والد کے ساتھ رہ کر دسترس حاصل کی۔ وہ حیاتِ پدر اور

بعد وفات دونوں زمانوں میں مہم مشاغل ومنصب پر فائز تھے بڑے بھائی (صدرالدین) کی وفات کے بعد ان کے جانشین ہوئے انھوں نے غازان خاں کے ساتھ شام کا سفر بھی کیا۔ اس کی حکومت میں ان کو اونچا مقام اور خصوصی شہرت حاصل تھی۔ شام میں انھوں نے امور اوقاف کو ہاتھ میں لیا اور بعد میں غازان خاں کے ساتھ بغداد کا سفر کیا جہاں انھیں نائب السلطنت بغداد بنایا۔

فخرالدین احمد

خاندان میں سب سے چھوٹے تھے اور دوسرے بھائیوں کی طرح آپ کے ہاتھ میں بھی تمام ممالک اسلامی کے اوقاف کی ریاست تھی اور وہ ان مسائل کو دیکھتے وسلجھاتے تھے۔

ان کی خصوصیات کے تعلق سے مرقوم ہے:

جب وہ بغداد میں ادارۂ اوقاف کے رئیس وسربراہ تھے تو ۶۸۳ میں عراقی عوام کو قحط سخت نے اپنی لپیٹ میں لے لیا انھوں نے اپنی عالی دماغی اور خصوصی تدبیر سے اس کی نگہداشت کی اور اپنی تمام توانائی وذہانت کو صرف کر دیا۔

فرزندان طوسی کے علم و دانش کے لیے یہی کافی ہے کہ شیعہ مورخین ہی نے نہیں بلکہ بہت سے اہل سنّت ہم عصر مورخین نے بھی ان کے فضل و علم و دانش کا اعتراف کیا اور ان کو دانشمندوں کی صف میں شمار کیا ہے یہی نہیں بلکہ انھیں بعنوان بزرگ اہل دانش یاد کیا ہے۔

ان اوصاف کی طرف کتاب "الوافی بالوفیات" "ابن صفدی" "فوات الوفیات" ابن شاکر و "حوادث الجامعہ، مجمع الادب، تلخیص معجم الالقاب" ابن فوطی میں اشارے موجود ہیں۔

فصل ہفتم

اخلاق خواجہ نصیر

خواجہ نصیر کا اخلاق

محقق طوسی بے پناہ علم و دانش و مختلف فنون میں ید طولیٰ رکھنے کے علاوہ بہترین اخلاق و صفات حسنہ کے حامل تھے جس کا بیان تمام مورخین نے کیا ہے۔

طوسی کو صرف قلم و کتاب والے دانشمندوں میں شمار نہیں کیا جاسکتا کیونکہ انھوں نے علمی و فلسفیانہ کارناموں کو اپنی زندگی کا مقصد نہیں بنایا تھا بلکہ اخلاق، حسن سلوک، مجلسی زندگی علماء اور ارد گرد کے حالات میں ان کی گہری دلچسپی تھی یہی نہیں بلکہ ان کے یہاں علم کو اخلاق و معرفت پر سبقت حاصل نہیں تھی چنانچہ جہاں بھی انسانیت و اخلاق

وکردار کی بات آتی وہ اخلاق اور تمام انسانی اسلامی قدروں کو کلام ومفہوم بے روح (یعنی علم ودانش) پر ترجیح دیتے تھے۔

اگرچہ ان کو شعر وادب کا ذوق لطیف بھی تھا مگر ان کا عمل ورفتار وگفتار حقیقت وواقعیت کے تابع تھا اسی لئے انھوں نے کشادہ روئی کھلی آنکھوں اور متانت کے ساتھ اُس عالم اسلامی زندگی گذاری جہاں بے عقلی، ناہنجاری اور جہالت کا زور تھا۔ خواجہ نے اپنی پوری زندگی میں تہمت، افترا، ملامت وبدگوئی دشنام کا سامنا کیا اور وہ بھی بہت زیادہ۔

افسوس تو یہ ہے کہ وہ سلسلہ آج بھی بند نہیں ہوا ہے، ویسے تاریخ کی عظیم ہستیوں کی یہ خصوصیت بھی رہی ہے کہ ایک طرف ان کی تعریف وتوصیف وستائش ہوتی ہے اور دوسری طرف دشمن ان کو بُرا بھلا کہتے رہتے ہیں۔

داستان اتہام

یہ محقق طوسی کے صبر وتحمل وبردباری کا قصہ ہے جو بتاتا ہے کہ انسان ہونا عالم ہونے سے بالاتر ہے اور نصیر الدین کے کردار کے ایسے رخ کو ظاہر کرتا ہے جس کی مثال بہت کم ملے گی۔

ابن شاکر نے "فوات الوفیات" میں اسے یوں لکھا ہے:

ایک شخص خواجہ نصیر کے پاس آیا اور ان کے سامنے کسی دوسرے آدمی کی تحریر پیش کی جسمیں خواجہ کو بہت برا کہا گیا تھا اور گالیاں دی گئی تھیں ان کو سگ ابن سگ لکھا تھا۔ خواجہ نے اس کا جواب نہایت نرم و لطف آمیز زبان میں دیا اور لکھا "مگر تمہارا یہ لکھنا درست نہیں ہے کیونکہ سگ (کتّا) جو پایہ ہے اور عف عف کرتا ہے اس کی کھال بالوں سے ڈھکی رہتی ہے ناخون بہت لمبے ہوتے ہیں تو یہ صفتیں تو مجھ میں بالکل نہیں ہیں بلکہ اس کے برخلاف میری قامت مستقیم، بدن بلا بال کا ناخن سے چوڑے ہیں اور ایسے خصائص رکھتا ہوں جو کتّے سے مغائر ہیں اور میرے اندر جو ہے وہ اس میں نہیں ہے اور پھر وہ تمام عیوب و برائیاں جو صاحب نامہ نے خط میں درج کی تھیں ان سب کا جواب اسی طرح بغیر سختی و درشتی کے لکھدیا۔[1]

یہ داستان ایک نمونہ ہے اس بات کا کہ خواجہ طوسی خود پرستی

---

[1] فوات الوفیات، ج ۳ ص ۲۴۸، چاپ بیروت، ابن شاکر الوافی بالوفیات ج ۱ ص ۱۸۰، ابن صفدی الکنی والالقاب ج ۳ ص ۲۱۷، محدث قمی چاپ بیروت۔

خودخواہی، نفس پرستی کے قید سے آزاد تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ صرف تاریخ وطبیعت کا چکر ہی نہیں ہے جس سے انسان علم کی مدد و ذریعہ سے آزادی حاصل کر لے بلکہ ایک اور زندان بلا بنام نفس وخودپرستی بھی ہے جس سے آزادی، علم ودانش کے ذریعہ ممکن نہیں بلکہ ایمان بخدا وتقویٰ الٰہی اس کی کنجی ہے۔

تمام علوم میں جامعیت اور جملہ مسائل پر طوسی کا عبور بتاتا ہے کہ وہ ایک بلند روح کے مالک تھے اور زندگی کو اپنے و دوسروں کے لئے سنگین وسخت نہیں بناتے تھے اور لوگوں کی خوشنودی و درگذر جیسی عوام پسند صفات کے مالک تھے۔

نصیرالدین نے شرح اشارات، اوصاف الاشراف واخلاق ناصری میں عرفان واخلاق کی طرف اپنے میلان کو یوں ظاہر کیا ہے کہ لگتا ہے وہ ایک فلسفی وریاضی داں نہیں بلکہ ہمہ جہت عارف، معلم اخلاق ہے جو انسان کو انفرادی واجتماعی زندگی بسر کرنے کا طریقہ تعلیم کرتا ہے۔ نصیرالدین طوسی نے صحرا نورد وحشی مغل قوم پر اپنی سیرت وکردار کا ایسا گہرا اثر ڈالا کہ آخر کار ان کے سردار، فرمانروا اور فوجی سب دین اسلام میں داخل ہو گئے۔ عہد طوسی کو سات صدیاں گذر چکی ہیں مگر آج بھی ان کے ارشادات کلام، اطور، اخلاق، علم ودانش اہل علم کی مجالس کو زینت بخش رہی ہے۔ ان کی نیک صفات کے نقوش اشعہ مہر وماہ واختر آسمان فضیلت پر چمک رہے ہیں۔

"علامہ حلی" جو علمائے تشیع میں بزرگ ترین فرد مانے جاتے ہیں اور جن کا فرمان مسلم دانشمندوں میں سند اور مضبوط دلیل کی حیثیت رکھتا ہے وہ بھی طوسی کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ علامہ حلی کے افکار و نظریات کو بزرگ علماء حتیٰ کہ علماء غیر شیعہ بھی معتبر گراں بہاں مانتے ہیں۔

علامہ حلی اپنے استاد کے فضائل اخلاقی کی خصوصیات کا تذکرہ یوں کرتے ہیں:۔

خواجہ بزرگوار علوم عقلی و نقلی میں بہت زیادہ تصنیفات کے مالک ہیں انھوں نے مذہب شیعہ کے دینی علوم پر بھی کتابیں لکھی ہیں۔ میں نے جتنے دانشمندوں کو دیکھا ان میں شریف ترین شخص وہی تھے۔ خدا ان کی ضریح (قبر) کو منور کرے میں نے ان کی خدمت میں الہیات شفاء ابن سینا اور علم ہیئت میں "تذکرہ" کا درس لیا جو خود ان کی ایسی تالیفات میں سے ہے کہ جب تک یہ دنیا رہے گی اسکی تابانی باقی رہے گی۔[1]

خواجہ نصیر کے اخلاق کی تعریف میں ان کے شیعہ شاگردوں سے زیادہ حلاوت ان کے اہل سنت شاگردوں کے بیان میں ہے

---

[1] مفاخر اسلام ج ۴، ص ۱۳۶، علی دوانی، بنقل از اجازات بحار۔

ابن فوطی[2] حنبلی مذہب رکھتے تھے مگر خواجہ نصیر کے شاگرد تھے وہ اپنے استاد کا ذکر یوں کرتے ہیں:

خواجہ مرد فاضل وکریم الاخلاق، نیک سیرت اور انکسار پسند تھے وہ کبھی بھی کسی حاجت مند کے سوال پر دل تنگ نہیں ہوتے تھے اور اسے رد نہیں کرتے تھے ان کا برتاؤ سب کے ساتھ خوش روئی کے ساتھ ہوتا تھا۔[3]

مورخین اہل سنت میں سے "ابن شاکر" نے اخلاق طوسی کی تعریف یوں کی ہے:

خواجہ نہایت خوش شمائل وکریم وسخی وبردبار وخوش معاشرت، دانا و فراست والے تھے ان کا شمار اس عہد کے سیاست مداروں میں ہوتا تھا۔[1]

---

[2] برای اطلاع بیشتر بہ فصل شاگردان خواجہ نصیر ملاحظہ فرمائیں۔

[3] احوال و آثار خواجہ ص ۸، مدرس رضوی بنقل از حوادث الجامعہ ابن فوطی

[1] فوات الوفیات ج ۲ ص ۱۴۹، ابن شاکر چاپ مصر

فصل ہشتم

شاگران خواجہ نصیر

خواجہ نصیر کے شاگرد

نصیرالدین طوسی جوکہ یگانۂ روزگار دانشمند و مختلف علوم وفنون کے بحر ذخار تھے وہ ہر طالب علم کو اس استعداد وظرف کے مطابق اپنے چشمۂ پرجوش علم سے سیراب کرتے تھے۔ طوسی جہاں بھی رہتے تشنگان علوم ان سے فائدہ حاصل کرتے جن شہروں اور مختلف ممالک میں وہ آمدورفت رکھتے تھے چمکتے آفتاب کی طرح نورافشانی کرتے اور شاگردوں اور اہل دانش کو فروغ و گرمی بخشتے تھے۔ انھوں نے دنیا کو بہت زیادہ تعداد میں دانشمند بخشے اگر سب کی فہرست مرتب کی جائے تو پورے دفتر کی ضرورت

ہو گی ہم یہاں ان کے چند شاگردوں کا مختصر ذکر کرتے ہیں:

علامہ حلّی

"جمال الدین حسن بن یوسف مطہر حلی"،
معروف بہ علامہ حلی ۶۴۸ھ میں حلہ[1] میں متولد ہوئے شیعوں کے مشہور علماء و دانشمندوں و بزرگوں میں ان کا شمار ہے جو علم کا خزانہ اور فضائل کا کھلیان تھے۔ خاندانی لحاظ سے صاحب شرائع الاسلام جناب "محقق حلّی" آپ کے ماموں اور "فخر المحققین" آپ کے فرزند تھے۔[2]

علامہ حلّی پہلی شخصیت ہیں جنھوں نے شیعوں میں "آیۃ اللہ" کا لقب حاصل کیا اور عالم تشیع کے لئے بہت تکلیف اٹھائی اور ان کی خداشناسی و خداجوئی پر مشتمل افکار سے بے شمار انسان شیعہ ہوئے ۷۸ سال کی عمر بابرکت پائی اور ۷۲۶ھ میں واصل بحق ہوئے۔ ان

---

[1] حلہ عراق میں نجف و کربلا کے درمیان ہے

[2] ان کا لقب فخر الدین و فخر الاسلام بھی ہے آپ بھی حلہ میں پیدا ہوئے دس سال کی عمر میں تحصیل سے فارغ ہوکر درجہ اجتہاد پر فائز ہو گئے

کے قیمتی آثار فقہ، اصول، فلسفہ، کلام، تفسیر، حدیث ورجال میں یادگار ہیں جن میں سے بعض کا ذکر ذیل میں کیا جارہا ہے:

۱۔ کشف المراد:۔ یہ کتاب خواجہ نصیر الدین طوسی کی "تجرید الکلام" کی شرح ہے۔ تجرید الکلام کی مختلف شرحیں لکھی گئی ہیں منجملہ اس کے شرح "ملا علی قوشچی" کا نام آتا ہے۔ قوشچی بزرگان اہل سنت میں سے ایک ہیں ان سے نقل کیا گیا ہے کہ وہ ہمیشہ فرماتے تھے۔

"اگر خواجہ کے عرب شاگرد (مراد علامہ حلی) نے تجرید الکلام کی شرح نہ لکھی ہوتی تو لازمی طور پر تجرید کا اجمال حل نہ ہوتا اور اس میں سے کچھ بھی سمجھا نہ جاسکتا۔"[۱]

۲۔ باب حادی عشر۔ یہ کتاب علم کلام میں ہے اور کتاب منہاج الصلاح علامہ حلیؒ کا گیارہواں باب ہے۔

پہلے علامہ حلیؒ نے شیخ طوسیؒ کی مشہور کتاب "مصباح المتہجد" کو اختصار کے ساتھ منہاج الصلاح نامی کتاب میں سمو دیا پھر اس کو دس باب کا اضافہ کیا جس میں علم اصول اعتقادات ہیں اس طرح "باب حادی عشر" دراصل کتاب منہاج الصلاح کا گیارہواں ہے۔

۳۔ جوہر النضید۔ خواجہ نصیر کی کتاب منطق "تجرید" کی شرح ہے[۲]

---

[۱] کتاب قصص العلماء ص ۳۸۲ مرزا محمد تنکابنی

[۲] علامہ حلیؒ کی دیگر چند کتب درج ذیل ہیں:

ابن میثم بحرانی

کمال الدین میثم بن علی بن میثم بحرانی۔

حکیم، ریاضی داں، متکلم و فقیہ۔ بحرین میں ۶۳۶ھ میں متولد ہوئے اور بڑے بڑے علماء مثل علامہ حلّی و سید ابن طاؤس کے محضر میں کسب علم و کمال کیا۔ اگرچہ انھوں نے حکمت میں خواجہ نصیر کی شاگردی اختیار کی تھی مگر وہ ان کے فقہ کے شاگرد مانے جاتے تھے ابن میثم بحرین میں رہتے تھے اور بہت ہی قانع، خوددار، زاہد و عزت نفس کا خیال رکھنے والے دانشمند تھے۔ ان کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ مرد گوشہ نشین تھے اور علمی مجلسوں کے ہاؤ ہو سے دور تحقیق و تتبع میں لگے رہتے تھے ایک بار دوستوں کی دعوت پر بحرین سے حلّہ پہونچے اور وہیں پر اپنے گرانقدر اثرات تحریر مثلاً شرح کبیر، شرح متوسط و شرح صغیر نہج البلاغہ کو مرتب کیا۔ ان کی قلندرانہ زندگی کا ایک واقعہ درج کیا جاتا ہے جو بے حد نصیحت آمیز بھی ہے:

← تذکرۃ الفقہاء، تبصرۃ المتعلمین فی احکام الدین، مدارک الاحکام، قواعد ←

اے آستین تو کھا

تاریخ کے مردان علم جُو و صاحبان فضیلت کی ہمیشہ یہ خصلت رہی ہے کہ وہ تہہ دست ہوتے تھے۔ ابن میثم بھی سخت زندگی گذارتے اور معمولی و کہنہ لباس زیب تن کئے رہتے تھے اور اسی ہیئت و لباس میں حلّے کے بزرگوں، امرار و دانشمندان کی مجلس میں پہونچ کر آخری کنارے پر جا بیٹھتے تھے۔ اس مجلس میں فقہی و علمی مسائل پر غور و فکر ہوتا تھا اور طلاب و علمار مختلف مسائل علمی پر بحث و گفتگو کرتے تھے۔ ابن میثم اس بحث میں ہمیشہ شریک ہوتے اور اپنی مضبوط دلیلوں سے حضار و مباحث افراد کے نظریات کو رد کر دیتے اور مختلف علوم کے سوالات کا بالکل درست جواب دیتے تھے۔ اگرچہ انھوں نے اپنے علمی تبحّر کو نمایاں کر دیا تھا مگر کہنہ لباس اور پیوند لگے ہوئے کپڑوں کی وجہ سے حاضرین مجلس کی سرد مہری کا شکار تھے۔

طلاب علوم اور دانشمند مجلس میں لباس ہائے فاخرہ پہنے بیٹھے تھے اور ابن میثم کا درست و متیقن جواب ان پر گراں گذر رہا تھا لہٰذا ان

الاحکام، نہایۃ الاحکام، مختلف الشیعہ فی احکام الشریعہ در علم فقہ۔ و کتب مبادی الاصول فی علم الاصول، نہج الوصول فی علم الاصول، نہایۃ الوصول الی علم الاصول

لوگوں نے اس وقت صرف بے توجہی نہیں بلکہ دل آزاری شروع کر دی اور ان کو حقیر گردانتے لگے۔ ایک شخص نے ابن میثم کی طرف رُخ کر کے کہا کہ مجھے لگتا ہے کہ تم طالب علم ہو۔ ابن میثم اس دن خاموشی سے باہر نکل گئے اور دوسرے دن ایسا قیمتی لباس پہن کر آئے جس کی آستینیں بہت چوڑی تھیں۔ ان کے سر پر بڑا عمامہ تھا۔ تمام حاضرین اٹھ کھڑے ہوئے اور ان کو مجلس میں آگے لے جاکر بیٹھایا۔ علمی بحث کے درمیان ابن میثم عمداً اکثر ورو سست جواب دیتے تھے مگر لوگ ان ہی جوابات کو مناسب و صحیح بتاتے تھے۔

جب دوپہر کا کھانا چُنا گیا تو ابن میثم کو مجلس میں بہترین جگہ دی گئی اس وقت انھوں نے اپنی ایک آستین کو دوسرے ہاتھ سے پکڑ کر کہا کہ کھا اے آستین! حاضرین نے پوچھا کہ آپ کا مطلب کیا ہے ابن میثم نے جواب دیا کہ میں تو تمہارا وہی کل والا دوست ہوں اگر یہ آستین و نیا لباس نہ ہوتا تو تمہارا یہ احترام مجھے ہرگز نہ ملتا۔ جب لوگوں نے بات سمجھی تو خجل و شرمندہ ہوئے اور اپنی غلطی تسلیم کی [۱]

در علم اصول، و کتب بسط الاشارات، ایضاح المعضلات من شرح الاشارات، الاشارات الی معانی الاشارات، یہ تینوں کتابیں ابن سینا کی اشارات کی شرح ہیں۔

[۱] استفادہ از کتاب فلاسفہ شیعہ ص ۴۴۸، شیخ عبداللہ نعمہ، ترجمہ جعفر غضبان۔

قطب الدین شیرازی

محمود بن مسعود بن مصلح شیرازی۔

جو قطب الدین شیرازی کے نام سے مشہور ہیں خواجہ نصیر الدین کے نامور شاگردوں میں سے ایک تھے۔

قطب الدین ۶۳۴ھ میں شیراز میں متولد ہوئے اور اپنے والد ضیاء الدین مسعود بن مصلح کازرونی کے ساتھ جو مشہور طبیب تھے۔ اور مظفری اسپتال شیراز میں تدریس و معالجہ میں مشغول تھے، ابتدائی تعلیم کے مراحل ختم کئے وہ ماں باپ کے اکلوتے بیٹے تھے مگر چودہ سال کے نہ ہوئے تھے کہ باپ کا انتقال ہو گیا اور وہ طبابت و تدریس دونوں میں باپ کے جانشین ہوئے۔ چنانچہ دس سال تک اسی اسپتال سے منسلک رہے مگر مزید تحصیل علم کے شوق سے مجبور ہو کر اسپتال کو خدا حافظ کہا اور اپنے چچا کمال الدین ابوالخیر بن مصلح کازرونی سے کتاب "قانون ابن سینا" پڑھنے کے لئے ان کے درس میں حاضر ہوئے۔ اس کے بعد انھوں نے خراسان

اصفہان، بغداد و روم کا سفر کیا اور خواجہ نصیر الدین ؒ جن کا اس زمانے میں عالم گیر شہرہ تھا، کے سامنے زانوئے ادب تہ کر کے علم ہیئت و اشارات بوعلی کا درس لیا۔

قطب الدین خود اپنی ایک کتاب میں لکھتے ہیں:

مجھے مظفری اسپتال میں طبیب کی نوکری مل گئی چونکہ چودہ سال کی عمر میں مجھے باپ کی موت کا صدمہ سہنا پڑا تھا اس لیئے میں دس سال تک اسی حالت میں زندگی بسر کرتا رہا۔ دوسرے طبیبوں کی طرح مجھے بھی نہ تو مطالعہ کی فرصت و مجال تھی اور نہ علاج و معالجہ کا دقت تھا لیکن میرا حوصلہ مجھے ابھارتا تھا کہ یہاں سے نکلے بغیر اس راہ کے اعلیٰ درجہ تک پہونچ نہ سکوں گا۔ پس میں نے آغاز تحصیل علم کر دیا اور کلمات قانون کو اپنے چچا سلطان حکماء و پیشوائے فضلا کمال الدین ابوالخیر بن مصلح کازرونی سے پڑھا اور شمس الدین محمد بن احمد کیشی حکیم اور شیخ کامل شرف الدین زکی بوشکانی کی خدمت میں حاضر ہوا کہ یہ دونوں اساتذہ کتاب مذکور کو بامغز و پوست پڑھانے، مشکلات و نکات سخت کو آسانی سے حل کرنے میں شہرت رکھتے تھے لیکن لیکن چونکہ یہ کتاب اس فن میں دشوار ترین کتاب ہے اور

اس کو سمجھنا مشکل ہے۔ کتاب تین علمی باریکیاں حکمت
کے لطائف اور عجیب و غریب نکات اور اسرار و رموز
بھرے پڑے ہیں جس سے انبائے روزگار اس کے
ادراک میں بالکل ناتوان و حیران رہتے ہیں اور ان کی
ہمت و حوصلے اس کے اوج کمال تک پہونچنے میں
جواب دیدیتے ہیں کیونکہ یہ کتاب افکار و آرا ر متقدمین سے
میں انتہا کو پہونچی ہوئی ہے اور ساتھ ہی ان باریک
ترین و بہترین نکات پر مشتمل جو متاخرین نے دریافت
کیئے ہیں اس لیئے میں نے اُن میں سے کسی کو نہیں سے
پایا کہ پوری کتاب کو سمجھنے و سمجھانے میں ماہر ہو۔ حتی کہ
وہ شرح بھی جو امام فخرالدین رازی نے کی ہے مجھے
دستیاب ہوئی مگر مشکل کو حل نہ کر سکی کیونکہ امام رازی
نے شرح کے بدلے تمام کتاب یا چند اجزار پر اعتراضات
و جرح سے کام لیا ہے اسی طرح شرح امام قطب الدین
مصری و افضل الدین گیلانی و نجم الدین نجوانی سے بھی میں
کچھ استفادہ نہیں کر سکا۔ مجبور ہو کر میں نے شہر دانش و
حکمت کا رخ کیا و فیلسوف والامنزلت استاد نصیر الدین
کے حضور میں پہونچا۔ تاکہ میری مشکلات حل ہو جائیں سے
لیکن ان میں سے کچھ پھر بھی باقی رہ گئیں تو میں نے خراسان

کا سفر کیا پھر عراق گیا وہاں سے بغداد اور بالآخر بلاد روم پہونچا اور اس شہر کے حکیموں سے مباحثہ کیا وہاں کے طبیبوں سے ملاقات کی اور اپنی علمی مشکلات کو ان کے سامنے پیش کیا اور جو کچھ ان کے پاس تھا اس سے فائدہ اٹھایا اور آخر میں اس نتیجہ پر پہونچا کہ ان میں سے کوئی بھی اس پر دسترس نہیں رکھتا لیکن اس تمام کوشش دگردش و سفر کے بعد جب میں نے غور کیا تو پتہ چلا کہ میرے مجہولات (نامعلوم) بیشتر میرے معلومات ہی میں سے ہیں حتیٰ کہ ۶۱۸ھ میں مصر کے ملک منصور قلادون الفی صالحی کی خدمت میں رسائی ہوئی اور وہاں میں نے کلیات قانون کی تین کامل شرحیں پائیں پہلی فیلسوف محقق علاء الدین ابوالحسن علی بن ابی الحزم قرشی معروف بہ ابن نفیس کی تھی دوسری طبیب کامل یعقوب بن اسحق السامری منطبب کی اور تیسری طبیب حاذق ابوالفرج یعقوب ابن اسحاق منطبب مسیحی معروف بہ ابن القف کی۔

اسی طرح میں نے جواب ہائے سامری کو پڑھا جو اس نے طبیب نجم الدین بن مفتاح کو دیئے تھے اور تنقیح القانون پڑھی جو ہبۃ اللہ بن جمیع الیہودی نے

لکھا تھا اور اس میں شیخ الرئیس ابو علی سینا کو تردید کی گئی تھیں اس کے علاوہ اور بھی شرحوں و تردیدوں کو دیکھا اور مطالعہ کیا کہ کتاب کی جو مشکلات رہ گئی تھیں وہ مجھ پر آشکار ہو گئیں اور اس طرح کوئی تردد و اشکال یا ابہام نہیں رہ گیا نہ کوئی محل قیل وقال۔ اور جب میں نے یہ دیکھا کہ مجھ سے زیادہ کوئی بھی اس کتاب پر مسلط و آگاہ نہیں ہے تو میں نے اس کی شرح اور مشکلات توضیح نے کتاب کے مبہمات کی تحریر اور فوائد کو زیادہ کرنا مناسب و موافق مصلحت خیال کیا[1]

اس کے بعد قطب الدین تبریز جا کر بس جاتے ہیں اپنی عمر کے آخری ۱۴ سال تالیف و تحقیق میں گذار کر ۷۱۰ھ میں عالم روحانی کی طرف چلے جاتے ہیں۔

علوم میں ان کی یادگار موجود ہے علم طب میں "قانون ابن سینا" کی شرح پانچ جلدوں میں بنام "التحفۃ السعدیہ" ہے۔ ان کی دوسری معرکۃ الآرا تصنیف "فتح المنان فی تفسیر القرآن" ہے جو چالیس جلدوں میں مکمل ہوئی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ قطب الدین شیرازی سے شیعوں اور سنیوں کے

---

[1] تاریخ فلاسفہ ایرانی ص ۲-۳۶۱، ڈاکٹر علی اصغر حلبی۔ بنقل از مقدمہ کتاب التحفۃ السعدیہ قطب الدین شیرازی

مجمع میں سوال کیا گیا کہ علیؑ و ابوبکر میں کون افضل ہے؟ انھوں نے جواب میں کہا کہ "خیر الوریٰ بعد النبی من بنتہ فی بیتہ"[1] یعنی پیغمبر کے بعد بہترین مخلوق وہ ہے کہ اس کی بیٹی اس کے گھر میں ہو یہ کلام ایسا ہے جو علی علیہ السلام پر شامل ہے اور ابوبکر پر بھی۔

ابن فوطی

کمال الدین عبد الرزاق شیبانی بغدادی؛

یہ حنبلی مسلک کے تھے ان کی عرفیت ابن فوطی یا ابن الصابونی ہے۔ آپ نصیر الدین طوسی کے معروف شاگردوں میں سے تھے ۸۱ سال کی عمر پائی اور تمام زندگی بہت زحمت و تکلیف اٹھا کر مسلمانوں کی خدمت انجام دی۔ ابن فوطی ۶۴۲ھ میں شہر بغداد ہی میں وفات پائی مگر ان کا اصلی وطن مرو خراسان تھا۔

فتح بغداد کے وقت ان کی عمر ۱۴ سال سے زیادہ نہ تھی کہ مغلوں کے اسیر ہو گئے اور ۶۶۰ھ میں چار سال قید رہ کر رہائی پائی اور خواجہ نصیر الدین سے وابستہ ہو گئے ابن فوطی سے بہت سے

---

[1] تاریخ فلاسفہ ایرانی ص ۳۶۶، ڈاکٹر علی اصغر حلبی۔

علمار نے فیض حاصل کیا اور ان کی خدمت میں حاضر ہوئے مراغہ میں وہ دس سال تک رصدگاہ کے کتاب خانہ کے نگراں و ملازم رہے اور اپنی علم و دانش دوستی کے باعث کتاب خانہ مستنصریہ بغداد میں بھی مشغول خدمت رہے۔

ابن فوطی تحریر و نگارش میں تبحّر و مہارت رکھتے تھے وہ مدتوں اسی طرح گذران کرتے رہے۔ وہ درجہ اعلیٰ کے خطاط بھی تھے چنانچہ خوشخطی کے ہنر سے کام لیتے ہوئے انھوں نے اپنے قلم سے بہت سی کتابیں لکھیں۔

جن میں سے ایک خواجہ نصیر کی ضخیم کتاب ”زیج ایلخانی“ کا نام لینا کافی ہے۔

وہ ایک تاریخ نویس تھے اور اپنے عہد کے واقعات کے عینی شاہد بھی تھے۔ اس لئے (ساتویں صدی) کے حالات جو انھوں نے لکھے ہیں اس کی بڑی اہمیت ہے اور اس کا شمار ساتویں صدی کی اولین تاریخی کتب میں ہوتا ہے اہل سنت کے تاریخ نویسوں نے ان کو ”فیلسوف مورخین“ کا نام دیا ہے۔ ان کی کتابیں ان کی سخت کوشی، بیش از بیش زحمات کی دلیل ہیں چنانچہ ان کی کتاب معجم الادب پچاس جلدوں پر مشتمل ہے ان کی دیگر دو معروف تر کتابیں ”الحوادث الجامعہ“ و ”تلخیص معجم الالقاب“ بھی ہیں۔

سید رکن الدین استرآبادی

حسن بن محمد شرفشاہ علوی استرآبادی بھی خواجہ طوسی کے معروف شاگردوں میں سے تھے جو ۶۴۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۷۵ سال کی عمر میں ۷۱۵ھ میں فوت ہو گئے۔

کتابوں میں ان کا تعارف بطور شخص متواضع و صبور اور امرائے مغل کے نزدیک لائق احترام و منزلت کیا گیا ہے۔ سید رکن الدین نے مدتوں خواجہ نصیر سے مراغہ میں استفادۂ علمی کیا۔ اور وہ خواجہ نصیر کے سفر بغداد ۶۷۲ھ میں ان کے ہمراہ تھے۔ ان کے آثار میں شرح مقدمہ ابن حاجب، حاشیہ بر تجرید الکلام خواجہ نصیر اور شرح قواعد العقائد خواجہ کا نام لیا جا سکتا ہے آخر الذکر کتاب انھوں نے طوسی کے کسی بیٹے کے لئے لکھی تھی۔

مرحوم محدث قمی نے ان کو نصیر الدین طوسی کے اصحاب خاص میں شمار کیا ہے اور ان کی وفات و مزار شہر تبریز میں بتائی ہے[1]۔

---

[1] فوائد رضویہ ص ۱۲۱ محدث قمی۔

خواجہ نصیر کے دیگر شاگرد جن کا نام کتب تاریخ علماء میں ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:

* عماد الدین، ابو علی عبد اللہ بن محمد بن عبد الرزاق حربوی بغدادی حاسب معروف بہ ابن الخوام، متولد سال ۶۴۳ و متوفی سال ۷۲۸، در بغداد۔

* حموئی، ابراہیم بن شیخ سعد الدین محمد بن مؤید ابی بکر بن شیخ ابی عبد اللہ محمد بن حمویہ بن محمد جوینی، متولد سال ۶۴۴ و متوفی ۷۳۲۔

* اثیر الدین اومانی، قریہ اومان جو ہمدان کے پاس ہے ان کو بطور ایک شاعر واہل فن پہنچنوایا گیا ہے جن کے فارسی دیوان میں پانچ ہزار اشعار ہیں۔

* مجد الدین ابو الفتح محمد بن محمد طوسی
* مجد الدین ابو علی عبد المجید بن عمر حارثانی
* مجد الدین الیاس بن محمد مراغی
* فخر الدین لقمان بن محمد مراغی

مکتب خواجہ نصیر میں جن دیگر دانشمندوں نے زانوئے ادب تہہ کیا اور ان کے علم و دانش سے بہرہ مند ہوئے اختصار کا لحاظ رکھتے ہوئے ہم نے ان کا نام نہیں لکھا زیادہ معلومات کے لئے ابن فوطی کی کتابوں کا مطالعہ کیا جائے[1]۔

---

[1] الحوادث الجامعہ و تلخیص معجم الالقاب ابن فوطی
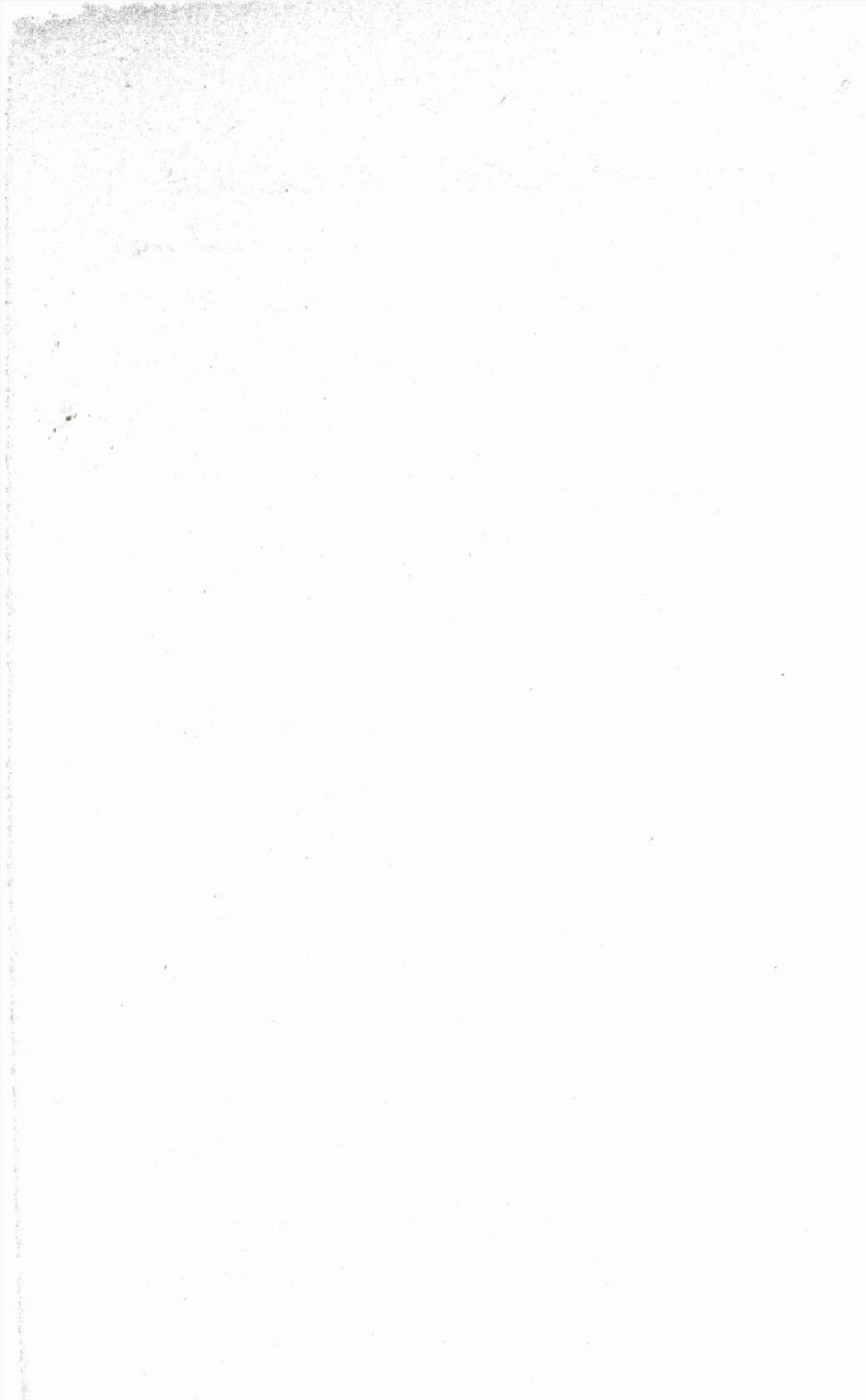
فصل نہم

دانش و آثار خواجہ نصیر

سات سو برس سے زیادہ ہو گئے ہیں مگر آج بھی طوسی کے آثار علم و دانش و وسعت معلومات سے استفادہ جاری ہے۔

طوسی بہت سے عصری علوم بالخصوص فلسفہ و ریاضی میں صاحب نظر تھے۔ کلام، منطق، ادبیات، تعلیم و تربیت اخلاق، فلک شناسی و رمل وغیرہ میں ایک مقام رکھتے تھے اور ان علوم میں انھوں نے اپنے آثار بطور یادگار چھوڑے ہیں۔

بزرگان علم و دانش نے ان کی علمی بلندی کا اعتراف مختلف الفاظ سے کیا ہے جیسے استاد بشر، افضل علماء، سلطان فقہا، سر آمد

علم، اعلم نویسند گان، عقل حادی عشر معلم ثالث وغیرہ۔

مخالفین وغیر مسلمین نے ان کی جو تمجید و تعریف کی ہے وہ لائق توجہ اور خواجہ کے توسیع علم و دانش کا ثبوت ہے ان کی شہرت اسلامی سرحدوں کے پرلے ہے غیر مسلم اہل علم و دانش بھی اس بزرگ شخصیت کے بارے میں زبان کھولنے پر مجبور ہو گئے۔

جرجی زیدان اس موضوع پر لکھتا ہے:

اس ایرانی کے ذریعہ حکمت و علم مغلوں کی سلطنت کے ہر دور دراز علاقوں میں یوں پہونچ گیا کہ تم کہو گے کہ رات کی تاریکی میں نور تاباں تھا[1]

جرمن ادیب "بروکلمن" تاریخ ادبیات میں ساتویں صدی کے دانشمندوں کے بارے میں لکھتا ہے:

اس عہد کے مشہور ترین علماء و مولفین میں مطلقاً و بلا شک نصیر الدین طوسی سرفہرست ہیں[2]

---

[1] آداب اللغۃ العربیہ ج ۳، ص ۲۳۴ فوائد رضویہ ص ۶۰۳ محدث قمی۔

"فنزها العلم فی بلاد المغول علی ید هذا الفارسی کانہ قبس منیر فی ظلمۃ مدلھمۃ"

[2] سرگذشت وعقائد فلسفی خواجہ نصیر، ص ۸۱

خواجہ کے علم و دانش سے گہری وابستگی کا حال یہ تھا کہ وہ لحظہ بھر آرام سے نہیں بیٹھتے تھے اور سیاسی و اجتماعی کاموں میں مشغولیت کے باوجود قلم ان سے جدا نہیں ہوتا تھا۔ حتیٰ کہ اسماعیلی قلعوں میں جب وہ اپنی زندگی کے دردناک واذیت ناک ترین لمحات گذار رہے تھے قلم و کتاب ان کی شب و روز کے مونس و غمگسار تھے۔ نابغۂ روزگار افراد کے لئے علم و دانش ایک گمشدہ سرمایہ ہوتا ہے جس کی جستجو میں وہ ہر لمحہ بڑی سے بڑی زحمت گوارہ کر لیتے ہیں اور خواب و خوراک کو بھی نظرانداز کر دیتے ہیں۔

لوگوں نے خواجہ نصیر الدین طوسی کے بارے میں لکھا ہے کہ جب ان کو کوئی مشکل مسئلہ علمی پیش آتا تو اسے حل کرنے کی فکر میں لگ جاتے جب کبھی رات کے آخری حصہ میں کوئی مسئلہ صاف و روشن ہو جاتا تو وہ خوشی سے حالت وجد میں پہونچ جاتے اور کہتے این الملوک وابناء الملوک من ہذہ اللذۃ یعنی بادشاہان و شہزادگان کہاں ہیں وہ آئیں اور میں اس وقت جس لذت کا احساس کر رہا ہوں اسے دیکھیں کہ وہ لوگ جو لذت امور حسّی میں پاتے ہیں اس سے یہ کہیں زیادہ لذیذ ہے [۱]

---

[۱] فلسفۂ اخلاق ص ۸۰ شہید مطہری

خواجہ کی دانش کا ایک واقعہ

خواجہ نصیرالدین طوسی کے زمانے میں اہل تسنن کے بزرگ علماء میں سے ایک ملا قطب الدین شیرازی کا حلقہ درس ایسا تھا جس میں اہل علم شریک ہوا کرتے تھے۔ ایک روز خواجہ نصیر بھی اس مجلس میں بھیس بدل کر پہونچ گئے اور آخری کونے پر بیٹھ کر ملا قطب الدین کی تقریر سننے لگے اور پھر چپ چاپ اپنے گھر چلے گئے۔ ایک شخص جو خواجہ کے پاس بیٹھا تھا اس نے انھیں پہچان لیا اور اپنے استاد سے بولا کہ جو شخص میرے پہلو میں بیٹھا ہوا تھا وہ خواجہ نصیر تھا۔ ملا قطب الدین نے کہا کہ وہ کل صبح بھی یقیناً آئیں گے۔ میں سوچتا ہوں کہ ان سے اس علم میں بحث کروں جس سے وہ نابلد ہوں۔ شاگردوں نے استاد سے کہا کہ ہر علم میں ان کی تالیفات موجود ہیں مگر علم طب سے وہ ناآشنا ہیں اور اس بارے میں انھوں نے کچھ نہیں لکھا ہے۔ ملا قطب الدین نے حکم دیا کہ کل ان کے شاگرد کتاب قانون ابن سینا لائیں تاکہ اس میں سے "نبض" کی بحث کا درس شروع کیا جائے۔ صبح ہوئی شاگرد جمع ہوئے اور ملا قطب الدین نے بحث "نبض" کی تدریس شروع کر دی اور ابن سینا پر بہت سے

اعتراضات وارد کئے، اپنی تحقیقات و نظر کو پیش کیا اس کے بعد اس شاگرد سے پوچھا جو خواجہ نصیر کے پاس بیٹھا تھا۔ سمجھ گئے؟ شاگرد نے کہا جی ہاں سمجھ گیا۔ ملا قطب الدین نے کہا کہ تو پھر اس کی تقریر کرو۔ اس نے تقریر شروع کی تو درمیان اس کی زبان لکنت کرنے لگی۔ خواجہ نصیر نے کہا کہ اگر اجازت ہو تو میں کچھ عرض کروں۔

ملا قطب الدین نے کہا کہ تم بھی سمجھ گئے انھوں نے کہا ہاں ملا قطب الدین بولے تو بیان کرو۔

خواجہ نے کہا کہ جو اعتراضات آپ نے وارد کئے ہیں میں اسے ہی بیان کر دوں یا جو حق ہے اسے کہوں۔ ملا قطب الدین نے کہا پہلے میری تقریر دہرائی جائے پھر اس کے اشکالات اس کے بعد اپنا نظریہ بیان کرنا۔

خواجہ نے استاد کی گفتگو نقل کی اور ان کے شبہات کو بیان کیا اس کے بعد جو حق و درست تھا اس کی تقریر کر دی۔

ملا قطب الدین فوراً اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے خواجہ کا ہاتھ پکڑ ا اپنی جگہ پر بیٹھا کر ان کا بہت احترام کیا اس کے بعد دونوں کے درمیان "امامت" کی بحث چھڑ گئی اور کافی لمبی گفتگو ہوئی۔

خواجہ نے حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام کی خلافت ثابت کر دی اور ملا قطب الدین شیعہ ہو گئے۔ لیکن ایک مدت

کے بعد وہ مذہب تشیع سے منحرف ہو گئے۔ تو خواجہ نے ان تین بار بحث کی تو قطب الدین نے سر تسلیم خم کر دیا اور مذہب تشیع قبول کر لیا مگر بعد میں پھر پلٹ گئے۔

چوتھی بار خواجہ نے ان سے بحث کرنا چاہی تو ملا قطب الدین نے کہا کہ "مجھ میں تم سے مناظرہ کی طاقت نہیں ہے" اپنے کسی شاگرد سے کہو کہ مجھ سے بحث کرے۔ اگر اس نے مجھے شکست دے دی تو پھر میں ایسا شیعہ بن جاؤں گا کہ دوبارہ قدیم مسلک پر کبھی نہ پلٹوں گا۔ خواجہ نصیر نے اپنے ایک شاگرد کو حکم دیا کہ ان سے مباحثہ کرو۔ ملا قطب الدین مناظرہ میں مغلوب ہو گئے اور مذہب حقہ تشیع میں ایسے داخل ہوئے کہ پھر کبھی اس مذہب سے برگشتہ نہ ہوئے [1]

خواجہ کی ریاضی دانی

بلاشبہ خواجہ کی زندگی کا ایک اہم و نمایاں رخ ان کی ریاضی دانی تھی آج تک انھیں الجبرا، حساب، ہندسہ، جیومیٹری اور علوم ریاضی

---

[1] قصص العلماء ص ۳۷۳ مرزا محمد تنکابنی

کے جملہ شعبوں کا ایک عظیم عالم مانا جاتا ہے اور اسی سبب سے مغرب کے بڑے بڑے دانشمندوں نے انھیں ریاضی داں ہی سمجھا ہے اس کے علاوہ دیگر علوم میں خواجہ کی مہارت کا حال ان پر کھُلا ہی نہیں۔ اگر خواجہ کی علم ریاضی میں خلاقیت وفطانت کا منظر دیکھنا ہو تو کتاب "الشکل القطاع" کا مطالعہ کرنا چاہیئے خواجہ نے اس کتاب کے ذریعہ علم ریاضی میں اپنی برتری کو عصر حاضر وعہد گذشتہ کے تمام دانشمندوں پر ثابت کر دیا ہے انھوں نے مثلثات کو علم فلک سے جدا کیا اور پھر ہر ایک مقولہ کو جداگانہ شمار میں لائے۔ طوسی پہلے ریاضی داں ہیں جنھوں نے مثلث کروی کی چھ حالتوں کو قائم الزاویہ مثلث کے ذریعہ کام میں لیا اسی طرح ہندسہ (جیومیٹری) کی دیگر شکلوں میں بھی انھوں نے اختراع کی ان کے نظریات و آثار موجود ہیں جن کی تعداد ۳۵ تک پہونچتی ہے یہ بات اس حقیقت کو بتاتی ہے کہ اگر تاریخ کے پورے دور میں علم ریاضی میں بے مثال نہیں تو کم مثال و نظیر ضرور تھا۔

فلسفہ اور خواجہ

اشارات بوعلی سینا کے رموز کو حل کرنے میں طوسی کی عمیق و بلند فکر کسی سے پوشیدہ نہیں ہے انھوں نے مشائین[1] کے فلسفے کو محکم و استوار کرنے میں جو کارہائے نمایاں انجام دیئے وہ ان کی علمی و فلسفیانہ قدرت کا مظہر ہے۔

خواجہ نے اشارات[2] بوعلی سینا کی جو شرح لکھی ہے اس میں نہ صرف ارسطو و افلاطون کے نظریات کو جو اس زمانے میں علمی ستون بن چکے تھے اسلامی فلسفہ سے خارج کیا بلکہ امام فخرالدین رازی کے اشکال و اعتراض کا جواب بھی دیا جو تنقید و اشکال وارد کرنے

---

[1] مشائین راستہ چلنا اصطلاحاً وہ فلاسفہ جو صرف عقل و استدلال پر تکیہ کرتے اور ارسطو و بوعلی سینا کے پیرو ہیں بخلاف اشراقیوں کے جو افلاطون و سہروردی کے پیرو ہیں وہ صرف عقل و استدلال سے کام نہیں لیتے بلکہ اس کے لئے سلوک قلبی و مجاہدات نفسی کو بھی لازم جانتے ہیں۔

[2] اشارات بوعلی سینا کی آخری کتاب ہے جیسا کہ کتاب کے نام سے پتہ چلتا ہے کہ وہ بہت ہی مبہم و دقیق فلسفی منطقی و عرفانی مطالب پر مشتمل ہے۔

میں اتنے حساس و دقیق تھے انھیں امام المشککین کہا جاتا تھا۔

فخر الدین رازی کے اشکالات و شبہات کا سامنا بہت دنوں تک کوئی نہیں کر پاتا تھا۔ وہ ابن سینا کے افکار پر متعصبانہ انداز میں حملہ کرتے تھے اور مشائین خصوصاً بوعلی سینا پر اعتراضات کی بھرمار کرتے تھے اور اپنے شاگردوں کے توسط سے اسے مختلف ممالک اسلامی میں شایع و منتشر کرتے رہتے تھے یہاں تک کہ بوعلی کے افکار سے لوگوں کی توجہ کم ہوگئی لیکن اسی اثنار میں خواجہ نصیر میدان میں وارد ہو گئے ایک عظیم دانشمند جو خاندان پیغمبرؐ و اہل بیتؑ معصوم کا پیرو تھا انھوں نے فخر رازی "جو بزرگان اہل تسنن میں سے تھے"، کے تمام اعتراضات و شبہات کا ایک ایک کر کے جواب دیدیا۔ بعد میں خواجہ نے شرح اشارات لکھ کر بوعلی سینا کے افکار و مسلک میں دوبارہ جان ڈال دی اور اس کے چہرہ سے گمنامی کا غبار صاف ہو گیا بلکہ اس نے آنے والے زمانوں میں بھی اپنی راہ بنالی۔ اور ایسی کہ آج بوعلی کا نام فلسفہ دیار اسلامی کی بلند چوٹی پر درخشندہ ہے۔

طوسی اور علم کلام

علوم اسلامی میں سے ایک علم کلام بھی ہے جس میں عقائد کے بارے میں بحث ہوتی ہے۔ چونکہ اسلام ہمیشہ سے الحادی افکار ونظریات سے گھرا رہا اس لیئے ابتداہی سے قرآن و پیغمبر اسلامؐ واصحاب۔ و آئمہ اطہار علیہم السلام کی نظر میں یہ عمل مورد توجہ رہا اور سب نے اس کی طرف توجہ دی اس بنا پر اس علم کی تاریخ اسلام کے ہم رکاب رہی ہے اور تاریخ اسلام کے پورے دور میں یہ علم کئی مراحل سے گذرا ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کے اصحاب میں سے فضل بن شاذان نیشاپوری تک جو اصحاب امام رضاؑ میں بھی تھے پھر تیسری صدی میں خاندان نوبختی و ابن قبہ رازی اور علی بن مسکویہ پانچویں صدی میں اس کے بعد ساتویں صدی یعنی خواجہ طوسی کے زمانہ تک علم کلام کا سفر جاری رہا ہے لیکن اس بزرگ وعظیم دانشمند کی وجہ سے علم کلام میں انقلاب عظیم آگیا اور طوسی نے "تجرید العقائد" نام کی پُر مایہ و محکم ترین کلامی تحریر تصنیف کر دی اس کتاب نے علم کلام کے نئے افق اور نئے راستے کھول دیئے آج تک یہ کتاب حوزہ ہائے علمیہ و اسلامی یونیورسٹیوں میں داخل درس ہے اور سات سو برس سے اپنی جاودانی حیثیت قائم رکھے ہوئے ہے۔

ایک سُنّی المذہب دانشمند کا اعتراف

"فاضل قوشجی" اہل سنت کے بزرگ عالم و دانشمند جن کا فضل وکمال بیش از بیش ہے آپ بھی کتاب تجرید العقائد کے معروف شارحین میں سے ایک ہیں ان کی شرح عام طور پر شرح جدید کے نام سے مشہور ہیں آپ تجرید العقائد کی عظمت کے بارے میں لکھتے ہیں:

مخزون بالعجائب، مشحون بالغرائب، صغیر الحجم، جیّد النظم، کثیر العلم، جلیل الشان، حسن الانتظام، مقبول الائمہ العظام، لم یظفر بمثلہ علماءُ الامصار وھو فی الاشتہار فی رابعہ النہار [1]

---

[1] الکنی والالقاب ج ۳، ص ۲۵۱، محدث قمی۔

یعنی یہ کتاب عجائب کا خزانہ و غرائب کا انبار ہے
چھوٹی سائز کی، خوبصورت و تنظم، بہت بلند دانش والی
و بہت مرتب جسے بزرگ رہبروں و آئمہ نے قبول و
تسلیم کیا علمار اس کا مثل نہ پایئں گے۔ یہ کتاب
شہرت میں آفتاب نیم روز کی طرح درخشاں ہے۔

تعلیم و تربیت

خواجہ کے متعدد آثار میں "آداب المتعلمین" نام کا چھوٹا سا رسالہ ہے جو سالہا سال گذرنے کے بعد بھی محصلین کا رہنما اور طالب علموں کے مقصد و طریقہ کار کو بتانے والا ہے۔ اگرچہ خواجہ کلام و ریاضی و فلسفہ کی دنیا میں غرق رہتے تھے اور آج بھی ان کی شناخت اپنے زمانے کے عظیم و بلند فکر دانشمندوں کی ہے اس کے باوجود وہ اپنی توجہ کو آداب تعلیم و تربیت سے باز نہ رکھ سکے۔

خواجہ نے اس رسالہ میں بہت باریک نکات اخلاقی کی طرف اشارہ کیا ہے جس کی پابندی طالب علم کو آداب تعلیم و تعلم سکھا دیتی ہے یہاں پر ہم خواجہ کے ارشادات سے استفادہ کرنے کے لئے کتاب سے چند اقتباس نقل کریں گے۔

٭ فصل چہارم کتاب جو طالب علموں کی کوشش و محنت سے متعلق ہے۔

خواجہ یہاں فرماتے ہیں:

بزرگوں نے کہا ہے کہ "من طلب شیئًا وجدّ وَجَدَ ومن قرع باباً ولجّ ولج"

یعنی جو کوئی شئے تلاش کرتا ہے اور اس میں کوشش کرتا ہے تو وہ اسے پا جاتا ہے اور جو کوئی دروازہ کھٹکھٹاتا ہے اور جما رہتا ہے تو مراد کو پہونچ جاتا ہے۔

٭ نویں فصل میں دوسروں سے استفادہ کے تعلق سے فرماتے ہیں:

کہا گیا ہے کہ "العلم ما یوخذ من افواہ الرِّجال لانھم یحفظون احسن ما یسمعون ویقولون احسن ما یحفظون"

یعنی علم و دانش ایسی چیز ہے جو دانشمندوں کے دہن سے لی جاتی ہے کیونکہ جو کچھ وہ سنتے ہیں اس کا بہترین حصہ یاد کر لیتے ہیں اور اسے دوبارہ سناتے ہیں۔

٭ اس فصل میں وہ عمر و وقت سے استفادہ کی نصیحت کرتے ہیں:

کہا گیا ہے کہ "اللیل طویل فلا تقصرہ بمنامک والنھار مضیٔ لا تکدرہ باثامک"

یعنی رات طولانی ہے پس اسے سو کر مختصر نہ کر اور دن روشن ہے اسے اپنے گناہوں سے تیرہ تار نہ کر۔

٭ اسی باب میں کسب علم کی راہ میں فروتنی وانکساری کے بارے میں فرماتے ہیں؛

کہا گیا ہے کہ "العلم عزّ لا ذلّ فیہ ولا یدرک الا بذلّ لا عزّ فیہ"

یعنی علم و دانش عزت و سربلندی ہے اس میں ذلت و خواری کا گذر نہیں اور اس سے ایسی فروتنی کے سوا کچھ نہیں ملتا جس میں اکڑپن بالکل نہ ہو۔

خواجہ کا ادبی پایہ

نصیرالدین کی جامعیت ایسی ہے کہ ہر علم و فن میں ان کا نام نظر آتا ہے شاید خواجہ نصیر اُن کم نظیر ترین انسانوں میں ہوں جنھوں نے علم کے متعدد شعبوں میں اپنے قلم کی جولانیاں دکھائی ہیں ادبیات و شعرگوئی و نگارش میں بھی وہ ید طوبیٰ رکھتے تھے۔

کتاب "اخلاق ناصری" فارسی نثر کی شاہکار تحریروں میں سے ہے خواجہ نصیر جیسی محکم وکم نظیر شخصیت نے قلمبند کیا ہے اور اپنی مہارت وقدرت قلمی دکھائی ہے۔

طوسی صرف فارسی نثر ہی میں استاد نہیں تھے بلکہ شعر میں بھی اپنی ایک نظر وروش رکھتے تھے یہاں تک کہ علم عروض[1] میں معیار الاشعار نامی کتاب مرتب کی جو اب تک سند کے طور مستعمل ہے۔

---

[1] عروض ایک ادبی اصطلاح ہے جو کلام کا معیار و میزان ہے جیسے نثر میں علم نحو میزان ہے۔

اشعار خواجہ

کتاب کے اس حصہ میں ہم اس دانشمند کے بعض ایسے اشعار نقل کریں گے جو ان کے افکار و اندیشہ کا پتہ دیتے ہیں۔

موجود بحق، واحد اول باشد۔ باقی ہمہ موہوم و مخیّل باشد
ہر چیز جز او کہ آید اندر نظرت۔ نقش دومین چشم احول باشد

٭ ٭ ٭

منم آنکہ خدمت تو کنم و نمی توانم
توی آنکہ چارۂ من بکنی و می توانی
دل من نمی پذیرد بدل تو یار گیرد
بتو دیگری چہ ماند تو بدیگری چہ مانی

٭ ٭ ٭

لذات دنیوی ہمہ ہیچ است نزد من

در خاطر از تغیّر آن هیچ ترس نیست
روز تنعم و شب عیش و طرب مرا
غیر از شب مطالعه و روز درس نیست

❁ ❁ ❁

نظام بی نظام ار کافرم خواند
چراغ کذب را نبود فروغی
مسلمانان خونمش زیرکه نبود
مکافات دروغی جز دروغی

❁ ❁ ❁

اقبال را بقا نبود دل بر او مبند
عمری که در غرور گذاری هبا بود
ورنیست باورت ز من این نکته گوش کن
اقبال را چو قلب کنی لابقا بود

❁ ❁ ❁

گفتم که دلم ز علم محروم نشد
کم ماند ز اسرار که مفهوم نشد
اکنون که به چشم عقل در می نگرم
معلوم شد که هیچ معلوم نشد
هرچند همه هستی خود می دانیم

چون کار به ذات می رسد حیرانیم
بالجمله به دوک پیره زن می مانیم
سررشته به دست ما و سر گردانیم

٭ ٭ ٭

بسی تیر و دی ماه اردیبهشت
بیاید که ما خاک باشیم و خشت
بسی می وزد مشک بو بارها
که ما رفته باشیم از یادها

٭ ٭ ٭

اندر ره معرفت بسی تاخته ام
و اندر صف عارفان سرافراخته ام
چون پرده ز روی عدل برانداخته ام
بشناخته ام که هیچ نشناخته ام

٭ ٭ ٭

افسوس که آنچه برده ام باختنی است
بشناخته ها تمام نشناختنی است
برداشته ام هر آنچه باید بگذاشت
بگذاشته ام هر آنچه برداشتنی است
خود اپنے سائے سے گھڑی، ساعت، وقت پہچاننے کے

لیئے ان کے یہ اشعار نقل کیئے گیئے ہیں؛

چو خواہی بدانی تو ساعات روز
زمین مساوی طلب دل فروز
پس آنگہ ببین سایۂ خویش را
قدم کن بدانی کم و بیش را
قدم چون شود بیست آنگہ چہار
بود ساعت اولین از نہار
شود سیز دہ چون قدم ای پسر
دو ساعت از آن روز دانی دگر
ببین نہ قدم راسہ ساعت شناس
تو شش را بیا چار دان بی قیاس
سیم گر بود ساعت پنجمین بے
ششم ظل ثانی ز کل بر زمین
قدم چون سہ ماند ز بعد زوال
بود ساعت ہفتمین بی مثال
دگر شش قدم ہشت ساعت شمار
نہم ساعتش نہ قدم می شمر
دہم ساعتش دان دہ و دو قدم
دہ و چہار شد یازدہ بی الم

بساعت دہ ودو شود درعزوب
خودِ عالم افروز دور ازعیوب

قرآن کریم کے قواعد سے متعلق یہ مشہور اشعار ان سے منسوب کیئے گئے ہیں۔

تنوین و نون ساکنہ حکمش بدان ای ہوشیار
کز حکم وی زینت بود اندر کلام کردگار
اظہار کن درحرف حلق ادغام کن دریرملون
مقلوب کن درحرف با در ماقبی اخفا بیار

خواجہ کے اشعار میں سے ایک قطعہ عمر خیام کے مشہور قطعہ سے مربوط ہے۔ خیام نے مسلک خبر پر کہا ہے۔

من می، خورم وہرکہ چون من اہل بود
می، خوردن من بہ نزد او سہل بود
می، خوردن من، حق زازل می دانست
گر می، نخورم علم خدا جہل شود

اس کے جواب میں خواجہ نصیر نے فرمایا ہے۔

این نکتہ نگوید آنکہ او اہل بود
زیراکہ جواب شبہہ اش سہل بود
علم ازلی علت عصیان کردن
نزد عقلار زغایت جہل بود

صرف فارسی ہی نہیں بلکہ خواجہ طوسی نے عربی زبان میں بھی اشعار کہے ہیں اسی میں مدح حضرت علی علیہ السلام کے یہ اشعار بھی ہیں ۔

لوان عبداً اتی بالصالحاتِ غداً
وَوَدَّ کل نبی مرسل دولیِّ

وصام ما صام صوّام بلا ملل
وقام ما قام قوام بلا کسل

وطاف بالبیت طوف غیر منتعل
وطار فی الجولا یاوی الی اَحَلٍ

وخاص فی البحر ماموناً من البلل
واکسی الیتامیٰ من الدیباج کلھم

واطعمھم من لذیذ البر والعسل
وعاش فی الناس الأفا موٌلفہ

عار من الذنب معصوماً من الزّلل
ما کان فی الحشر یوم البعث منتفعاً

الابحب امیرالمومنین علی(ع)

یعنی اگر کوئی بندہ روز قیامت تمام اعمال صالحہ اور جملہ پیغمبروں واماموں کی دوستی کے ساتھ آئے اس طرح کہ اس نے بغیر خستگی وسستی وبے دلی

کے دن کو روزہ رکھا ہو، راتیں عبادت میں گذاری ہوں پا پیادہ (پیدل) متعدد حج کئے ہوں اور خانہ کعبہ کا طواف کر چکا ہو، آسمان کی بلندیوں پر بلاتوقف پرواز کرتا ہو، دریا میں جائے اور بھیگے نہیں، تمام یتیموں رشیمی لباس پہنائے اور انھیں گیہوں کی روٹی و شہد کھلائے۔ ہزاروں سال بغیر لغزش و گناہ کے لوگوں میں زندگی بسر کرے پھر بھی بروز قیامت اسے کوئی فائدہ نہیں ملے گا مگر یہ کہ علی علیہ السلام کا دوستدار ہو۔

آثار خواجہ نصیر

خواجہ نصیر نے اپنے زمانے کے بیشتر علوم و فنون پر اپنی یادگار و بیش قیمت تحریریں چھوڑیں ہیں جس میں سے چند اب تک علمی محفلوں اور دانشگاہوں میں کتاب درس کے طور پر پڑھائی جاتی ہے۔

خواجہ نے اپنی اہم اور بڑی کتابیں اسماعیلی قلعوں میں رہکر لکھیں اور کچھ بعض ایسے اوقات میں جبکہ وہ سیاسی و اجتماعی

امور میں مشغول تھے۔

جہاں تک خواجہ کی ریاضی، فلسفہ، علم الافلاک پر کتابوں کی گراں قیمتی کا سوال ہے اس کے لئے یہ بتانا کافی ہے کہ ان کی بہت سی کتابوں کا انگریزی و فرانسیسی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

"ابن شاکر" نے کتاب فوات الوفیات اور "صفدی" نے الوافی بالوفیات نے تقریباً چالیس تصانیف طوسی کا ذکر کیا ہے صاحب کتاب "احوال و آثار خواجہ" جنھوں نے تمام لکھنے والوں سے زیادہ مفصل اس موضوع پر بحث کی ہے وہ ۱۹۰ تصنیفات بتائی ہیں۔

ہم کتاب کی اس فصل میں ابتدا میں طوسی کی اہم تصانیف کا ذکر کریں گے اس کے بعد ان کی دیگر کتابوں کو گنائیں گے۔

۱۔ تجرید العقائد۔ اس کتاب میں علم کلام کی بحث ہے اور یہ نصیر الدین طوسی کی معروف ترین و بیش قیمت کتابوں میں سے ہے اس کے علمی مطالب کی بلندی و باریکی نے علماء و دانشمندوں کی توجہ کھینچ لی ہے اس کتاب کے مختلف حواشی و شرحیں لکھی گئی ہیں ان میں سے چند اہم کتب درج ذیل ہیں۔

۱۔ "کشف المراد فی شرح تجرید الاعتقاد" نوشتہ علامہ حلی یہ تجرید خواجہ کی پہلی شرح ہے اور اس میں علمی گہرائی و سنگینی

بہت ہے اس طرح کہ تجرید کے شارحین میں سے ایک مُلّا قوشجی فرماتے ہیں کہ اگر علامہ کی شرح نہ ہوتی تو ہم خواجہ کی تجرید کو سمجھ نہ پاتے۔

۲۔ تسدید القواعد۔ از شمس الدین اصفہانی یہ شرح "شرح قدیم" کے نام سے مشہور ہے۔

۳۔ شرح تجرید۔ از ملا علی قوشجی (یکے از بزرگ علمائے اہل سنت، علماء کے درمیان اسے "شرح جدید" کہا جاتا ہے۔

۴۔ "شوارق الالہام فی شرح تجرید الکلام" نوشتہ مولیٰ عبد الرزاق لاہیجی شاگرد ملاصدرای شیرازی۔

۲۔ "شرح اشارات" کتاب کا متن بزرگ فلسفی بو علی سینا کا ہے اس کی شرح کئی علماء نے لکھی ہیں۔ خواجہ نصیر نے اس کی شرح تین جلدوں میں کی ہے اس میں فلسفہ، منطق و عرفان وغیرہ کا مضمون سمویا ہوا ہے خواجہ کی اس شرح پر علامہ حلّی، قطب الدین رازی و عبد الرزاق لاہیجی و دوسروں نے تعلیقات لکھے ہیں۔ (متن و شرح دونوں عربی زبان میں ہے)

۳۔ قواعد العقائد۔ اصول عقائد میں مختصر سی کتاب ہے اس کی بھی شرحیں لکھی گئی ہیں منجملہ ان کے علامہ حلّی کی "کشف الفوائد" بھی ہے۔

۴۔ اخلاق ناصری۔ یہ کتاب علم اخلاق میں ہے یہ ابو علی مسکویہ

کی کتاب الطہارہ عربی کا فارسی ترجمہ ہے جسے خواجہ نے ناصرالدین محتشم قہستان کے لیئے لکھ کر اس کا نام اخلاق ناصری رکھدیا۔

۵۔ اوصاف الاشراف ۔ فارسی زبان میں سیر و سلوک و تصوف لکھی گئی ۔

۶۔ آغاز و انجام ۔ مبدا ر و معاد (آغاز و انجام) کے موضوع پر فارسی میں ہے ۔

۷۔ تحریر محبطی ۔ اصل کتاب "محبطی" حکیم بطلیموس یونانی کی تحریر ہے دوسری صدی عیسوی میں تھا اس کتاب کا موضوع علم ہیئت ہے جسے خواجہ نے تحریر کیا ہے[1]

۸۔ تحریر اقلیدس ۔ علم ہندسہ (جیومیٹری) میں ہے ۔ طوسی نے اس کتاب میں اقلیدس کے برخلاف قضیہ فیثا غورث کے لیئے سولہ مورد خاص ترتیب دیئے ہیں ۔

۹۔ تجرید المنطق ۔ علم منطق میں عربی رسالہ اس کی متعدد شرحیں لکھی گئی ہیں جس میں سب سے اہم شرح علامہ حلی بنام "جوہر النضید" ہے ۔

۱۰۔ اساس الاقتباس ۔ یہ بھی علم منطق میں ہے ۔ شفا ر بو علی سینا کے بعد اس علم کی مہم ترین کتاب یہی ہے ۔

---

[1] تحریر کا مطلب دوسروں کی کتاب کی تصحیح یا تلخیص ہوتا ہے ۔

۱۱۔ زیج ایلخانی۔ ہم ہیئت میں فارسی زبان میں لکھی گئی یہ کتاب رصد خانہ مراغہ کی تحقیقات کے حاصل کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔

طوسی کی کچھ اور کتابیں:

۱۲۔ آداب البحث — فن تعلیم و تربیت

۱۳۔ آداب المتعلمین — فن تعلیم و تربیت

۱۴۔ آغاز و انجام حیوان و نبات و معادن و متفرقات

۱۵۔ اثبات بقاء النفس

۱۶۔ اثبات الجوہر

۱۷۔ اثبات العقل

۱۸۔ اثبات العقل الفعال

۱۹۔ اثبات الفرقۃ الناجیہ

۲۰۔ اثبات اللوح المحفوظ

۲۱۔ اثبات الواجب تعالیٰ

۲۲۔ اختیارات المہمات

۲۳۔ اختیارات النجوم

۲۴۔ الاسطوانۃ

۲۵۔ استخراج التقویم

۲۶۔ الاشکال الکرویہ

۲۷۔ الاعتقادات

۲۸۔ اقسام الحکمۃ

۲۹۔ الامامۃ

۳۰۔ الانعکاسیہ

۳۱۔ ایام ولیالی

۳۲۔ البارع فی التقویم واحکام النجوم

۳۳۔ بقاء النفس بعد فناء الجسم

۳۴۔ بیست باب اسطرلاب

۳۵۔ تجرید الہندسہ

۳۶۔ تحریر اکرمالاناوس

۳۷۔ تحریر کتاب الکرۃ المتحرکۃ

۳۸۔ تحریر کتاب المساکن

۳۹۔ تحریر المطالع

۴۰۔ تذکرۃ الہیئۃ

۴۱۔ تربیع الدائرۃ

۴۲۔ ترجمہ صور الکواکب

۴۳۔ تسطیح الکرۃ

۴۴۔ تعدیل المعیار

۴۵۔ التقویم العلائی

۴۶۔ تلخیص المحصل

۴۷۔ تنسوق نامہ ایلخانی

۴۸۔ تہافت الفلاسفہ

۴۹۔ جامع الحساب

۵۰۔ جام گیتی نما

۵۱۔ الجبر والاختیار

۵۲۔ خلافت نامہ

۵۳۔ خلق الاعمال

۵۴۔ رسالہ در عروض

۵۵۔ رسالہ در کرہ واسطرلاب

۵۶۔ رسالہ در کلیات طب

۵۷۔ النزبدہ

۵۸۔ شرح اصول کافی

۵۹۔ الطلوع والغروب

۶۰۔ ظاہرات الفلک

۶۱۔ علم المثلث

۶۲۔ الفرائض النصیریہ

۶۳۔ الماخوذات

۶۴۔ مساحۃ الاشکال

۶۵۔ المطالع

۶۶۔ المعطیات

۶۷۔ المفروضات

۶۸۔ نقد التنزیل

فصل دہم

وفات خواجہ

خواجہ کی وفات: ۱۸رذی الحجہ ۳۷۶ھ کو بغداد کے آسمان کا رنگ دگرگوں تھا گویا کوئی ایسا اتفاق واقع ہونے والا ہے۔ جس سے اس شہر کا سکون ختم ہو جائیگا اور لوگ سوگوار ہو جائیں گے۔

ایک ایسا مرد بستر بیماری پر پڑا ہوا تھا جسکی پرشکوہ زندگی سراسر حادثات سے بھرپور تھی جس نے سالہا سال شمشیر وسنان کا نظارہ کیا اور ایک شہر سے دوسرے شہر کی ہجرت واسیری کا تجربی بھی تھا۔

وہ مرد جس کی حیات نے ایران کی سرزمین کو دوسری زندگی بخش دی جس کا قلم علم و دانش کے لئے دریچے کھولتا رہا۔ دوستوں اور اہل خاندان کے حلقے میں اس نے اپنے پیروں کو قبلہ کی سمت دراز کر دیئے۔ اور ہاتھوں کی ان انگلیوں کو جسے اس نے ایک دن بھی آرام نہیں دیا تھا اور قلم کے ذریعہ ان کا سکھ چھین لیا تھا۔ آج نوید راحت و آسائش دے دی۔

وہ ایسا خستہ و چور تھا کہ تھکن اس کے سر و صورت سے برس رہی تھی۔ ہاں اس نے احساس کر لیا کہ ساحل استراحت نزدیک ہے شاید تمام علماء و صالحین و بزرگوں میں سے کوئی بھی ایسی ناگوار زندگی و شورش زدہ قضا و پر حادثہ دور میں نہ جیا ہوگا۔

اس نے اپنی پوری زندگی وحشی، خونخوار، بے تمدن قوم میں گذاری جو معمولی بہانہ بنا کر پیر و جوان و اطفال کا سر اڑا دیتے تھے ان کی آب شمشیر کے لئے عالم و غیر عالم یکساں تھے۔

طوسی کی تمام زندگی میں تلوار کا منحوس سایہ اس کے سر پر رہا اور اسی بربریت کے سایہ تلے اس نے اپنے مکتب کے عقائد و افکار نشر کئے اور اپنی یادگار بے شمار کتابیں چھوڑ گیا۔

اب وہی کتابیں اس کی جگہ پر اس کے فرزندوں کے لیئے تھیں جو ابدی خدا حافظی کے وقت اس نے ان کے حوالے کی تھیں۔ تاریخ کہتی ہے: ان کے اعزامیں سے کسی نے خواجہ کے قریب جاکر اطمینان کے ساتھ کہا کہ وصیت کیجیئے کہ آپ کو مرنے کے بعد جوار قبر امیر المومنین علیہ السلام میں دفن کیا جائے۔ خواجہ جو سراپا ادب تھے خواب میں بولے "مجھے شرم آتی ہے کہ مروں تو اس امام (موسیٰ کاظمؑ) کے جوار میں لے جایا جاؤں اس کا آستانہ چھوڑ کر کہیں اور۔

اتنی گفتگو کے بعد پھر وہ خود میں گم ہو گئے اور سرگوشی کی سی کیفیت طاری ہو گئی حتیٰ کہ دنیا سے آنکھ بند کر کے اہل علم و دانش کو اپنے غم و عزا میں بیٹھا دیا۔

بغداد سراسر غرق ماتم ہو گیا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے دس دانشمند بزرگ کی عارفانہ سرگوشی کے بعد خورشید علم غروب ہو گیا۔ اور ہر آنکھ سے اشکوں کا سیلاب جاری ہو گیا۔

خواجہ کی وفات نے تمام بلا د اسلامی کے سر پر عزا کی شال اڑھا دی بالخصوص عالم اسلام کے شیعوں کا تو حال ہی ناگفتی تھا کیونکہ تشیع اور ایران نے حکومت میں نفوذ رکھنے والے اپنے زمانے کے بزرگ ترین انسان کو کھو دیا تھا۔

خواجہ کی تشیع جنازہ میں بچے جوان، بزرگ مرد عورت

باچشم گریاں شریک تھے ان کی میت اپنے کاندھوں پر احترام کے ساتھ آستان مقدس امام موسیٰ کاظمؑ کے روضہ تک لے گئے۔ جس وقت ان کی قبر کھودنا چاہا تو وہاں پہلے سے تیار قبر کا سراغ ملا۔ اور عجیب بات یہ کہ خواجہ کی تاریخ ولادت اور اس قبر کی تیاری ایک تھی۔ کہا جاتا ہے کہ جس دن خواجہ نے طوس میں آنکھ کھولی اسی دن امام موسیٰ بن جعفرؑ نے ان کے لئے اپنے پاس جگہ مہیا کردی کیونکہ خواجہ بھی تمام عمر مغلوں کا اسیر وزندانی رہا اور کنج قید میں بھی ایک لحظہ اپنے شیعی اعمال ومناجات میں کمی نہیں کی۔

طوسی کو امام کاظم علیہ السلام کے جوار میں سپرد خاک کیا گیا اور ان کی قبر پر آیت شریفہ "وکلبھم باسط ذراعیہ بالوصید" نقش کردی انھوں نے بقائے الٰہی میں تعجیل کی اور اس جہان خاکی کو ہمیشہ کے لئے الوداع کہا۔

لیکن خواجہ کا نام ان کے رشحات فکر وقلم ہمیشہ ہمیشہ شیعوں کے گھروں میں باقی رہیں گے۔ اور جس طرح صدیاں گذر جانے کے بعد بھی ان کا نام علم ودانش کے میناروں سے چمکتا ہے اور اس کی یہ چمک باآواز بلند تشیع کے جاودانی شکوہ وعظمت دکوشش، وانتھک محنت کی کہانی سناتی ہے۔[1]

---

[1] ان کی وفات پر شاعر نے کہا ہے:

نصیر ملت ودین پادشاہ کشور فضل ــ یگانہ ای کہ چون او مادر زمانہ نزاد

بسال ششصد وہفتاد ودو بذی الحجہ ــ بروز ہیجدہم درگذشت در بغداد

کتاب نامہ

اس کتاب کی تدوین میں جن کتابوں سے مدد لی گئی ہے۔

۱۔ مقدمہ کتاب اساس الاقتباس خواجہ نصیر الدین بقلم مدرس رضوی۔
۲۔ مقدمہ کتاب منتخب الاخلاق ناصری خواجہ نصیر الدین بقلم جلال ہمایی۔
۳۔ شیوہ دانش پژوہی (ترجمہ آداب المتعلمین) خواجہ نصیر الدین طوسی، بقلم باقر غباری۔
۴۔ اعیان الشیعہ ج ۱، علامہ سید محسن امین

۵۔ کشف الظنون ج ۱، مولی مصطفےٰ

۶۔ معجم البلدان ج ۴ یاقوت الحموی

۷۔ شذرات الذہب جزء ۵ عبدالحی حنبلی

۸۔ الذریعہ، آقا بزرگ تہرانی

۹۔ فوات الوفیات، ابن شاکر

۱۰۔ الوافی بالوفیات، صفدی

۱۱۔ تاریخ حبیب السیر ج ۳ خواندمیر

۱۲۔ جامع التواریخ ج ۲ خواجہ رشید الدین فضل اللہ

۱۳۔ جہانگشا ج ۳ عطا ملک جوینی

۱۴۔ ہفت اقلیم امین احمد رازی

۱۵۔ الکنی والالقاب ج ۳ محدث قمی

۱۶۔ تتمۃ المنتہی محدث قمی

۱۷۔ فوائد رضویہ محدث قمی

۱۸۔ تحفۃ الاحباب محدث قمی

۱۹۔ لولوی البحرین یوسف بن احمد بحرانی

۲۰۔ معجم رجال الحدیث ج ۱۷ آیۃ اللہ خوئی

۲۱۔ ریحانۃ الادب ج ۲ میرزا محمد علی مدرس

۲۲۔ روضات الجنات ج ۶ محمد باقر موسوی خوانساری

۲۳۔ مجالس المومنین ج ۲ قاضی نور اللہ شوشتری

۲۴۔ قصص العلماء، میرزا محمد تنکابنی

۲۵۔ فلاسفہ شیعہ، عبداللہ نعمہ۔ ترجمہ جعفر غضبان

۲۶۔ مفاخر اسلام ج ۴ علی دوانی

۲۷۔ آشنایی با فلاسفہ ایرانی، دکتر علی اصغر حلبی

۲۸۔ دانشمندان نامی اسلام، سید محمود خیری

۲۹۔ با دانشمندان شیعہ و مکتب آنہا آشنا شویم ج ۲ سید جواد امیر اراکی

۳۰۔ احوال و آثار خواجہ نصیر الدین، محمد تقی مدرس رضوی

۳۱۔ سرگذشت و عقائد فلسفی خواجہ نصیر، محمد مدرسی زنجانی

۳۲۔ خواجہ نصیر الدین، مصطفی بادکوبہ ای ہزادہ ای

۳۳۔ یادنامہ خواجہ نصیر، دانشگاہ تہران

۳۴۔ تاریخ مغول، عباس اقبال آشتیانی

۳۵۔ تاریخ اجتماعی ایران ج ۲، مرتضی راوندی

۳۶۔ تاریخ علم در ایران ج ۱ و ۲، مہدی فرشاد

۳۷۔ لغت نامہ، علی اکبر دہخدا

۳۸۔ چنگیز بان چہرہ خون ریز تاریخ، محمد احمد پناہی

۳۹۔ حسن صباح چہرہ شگفت انگیز تاریخ، محمد احمد پناہی

۴۰۔ فلسفہ اخلاق، شہید مطہری

۴۱۔ امامت و رہبری۔ شہید مطہری

۴۲۔ مجلہ مقالات و بررسی ہا دفتر ۲۸، نشریہ دانشکدہ الہیات و معارف تہران، مقالہ دکتر تقی دانش پژوہ ۔

۴۳۔ مجلہ کیہان فرہنگی، سال ۶۵ ش ۵، مقالہ دکتر عبدالہادی حائری ۔